قصص الاولین مواعظ الآخرین

حیات ذوق

جسمین ملک الشعرائے ہند شیخ ابراہیم ذوق
کی زندگی کے حالات اور اُن کی تصنیفات
کی کیفیت درج ہے

منشی احمد حسین خان صاحب احمد مترجم ڈویزنل کورٹ لاہور
مصنف آئینہ روزگار - حیات سعدی وغیرہ نے

حسب فرمائش کارخانہ مطبع خادم التعلیم لاہور قلمبند کیا

سنہ ۱۸۹۵ء

مطبع خادم التعلیم پنجاب میں باہتمام منشی محبوب عالم کے طبع ہوا

انٹروڈکشن

پیارے ناظرین ذوق مرحوم۔ جس کی زندگی کا حال مین تمہین سناتا ہون
اُن صاحب کمالون مین سے ہے جنہون نے اپنے عالی دماغ اور فکر کے دخان
سے اُردو زبان کے کارخانون مین ایجاد کی ہوائیان اڑائین جنہون نے ایسی
کلین نازک خیالی اور لطافت سے اختراع کین کہ شعرائے اردو کو چرخ آتشبازی کی طرح عرش
عالی پر پہنچا دیا۔ یہ وہ نازک دماغ تھے جو بلند پروازی کے پر لگا کر ایسے بلند اوڑے کہ اوڑ
ہی گئے۔ یہ وہ کامل مصور تھے جنہون نے پھول کی پنکھڑیون پر نازک خیالی کی موقلم سے
ایسی باریک باریک نقاشی اور گلکاری کی کہ غور کی عینک کے بغیر دکھائی نہین دیتی
یہ اُس رتبہ کے جوہر شناس تھے جن کی پا انداز مین فصاحت نے آنکھین بچھائین اور بلاغت
قدم چوم کر آداب بجالائی۔ یہ وہ صراف تھے جنہون نے اُردو زبان کے سونے کو
کدورتون سے پاک و صاف کیا اور اُسکو ایسا بنا دیا جس سے آرائشون کے
سامان حسینونکے زیور۔ بادشاہونکے تاج۔ تیار ہوئے۔ یہ وہ رشک سامری تھے
جن کی تیزی طبع کے سحر حلال نے ادنےٰ اعلےٰ کے دلون کو تسخیر کر لیا۔

بیشک ذوق مرحوم اُنہین شخصون مین سے تھا۔ جن کی طبع رسا ایک جوی شیر
تھی جس سے قیامت تک لوگ سیراب ہوتے رہینگے۔ جو ایسے ذی فہم صاحب ادراک
معمار تھے جنہون نے شہرت عام اور بقائے دوام کے لیے عالیشان محل تعمیر کیے جو
آسمان سے باتین کرتے ہین۔ جو فلک کے صدمون انقلاب کے حوادثون اور زمانہ
کے زلزلون کو خیال مین نہین لاتے ؎

زندہ رہیگا نام سخن سے ابد تلک   اولاد سے جیا تو کوئی تین چار پشت

اے ناظرین باتمکین! ان صاحب کمال کی تصانیف ایک بے بہا ذخیرہ ہے جو طالب نصیحت کے لئے ناصح مشفق ہے۔ جو صاحب خیر کے لئے عبرت ہے۔ جو اہل نظر کے لئے بصیرت ہے۔ جو افسردہ دل کو دل بہلانے کے لئے یار غمگسار ہے۔ جو مردہ دلوں میں جان ڈالنے کے لئے دم عیسیٰ سے کم نہیں۔ جو مدہم آرزوؤں کو چمکانے کے لئے برقی طاقت کا آلہ ہے۔ جس سے سوتے دلوں میں گدگدی ہوتی ہے۔ اور جس میں اداسی اور خوشی دونوں کی چاشنی موجود ہے۔ اگرچہ ان کاغذی خانقاہوں میں بسنے والوں نے زیادہ تر حسن و عشق کے دربار میں زندگی گذاری ہے۔ مگر باوجود عاشقانہ مضامین کے انکی طرز تحریر لفظوں کی عمدہ تراشیں۔ پسندیدہ ترکیبیں۔ استعارے اور تشبیہیں ایسی ہیں۔ اگر ہم سلیقہ اور امتیاز سے کام میں لائیں تو علوم و فنون تاریخ وغیرہ عام مطالب میں ہمارے ادائے مقاصد و انداز بیان کے لئے عمدہ معاون اور کارآمد ہو سکتی ہیں۔

ذرا غور سے دیکھو تو صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے حسن و عشق کے ہی باغ میں گلچینی نہیں کی۔ بلکہ ہر میدان میں شہسوار بنکر گھوڑے دوڑائے ہیں۔ جہاں رزم کا فوٹو کھینچا ہے۔ وہاں ہو بہو میدان جنگ نظر آتا ہے۔ جہاں بزم کا نقشہ اوتارا ہے وہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ مضامین کے ستارے آسمان سے اوتارے ہیں۔ جہاں ماتم یا مجلس عزا کا نمونہ دکھایا ہے وہاں لفظوں کی زبان سے شور و شیون کی آواز آتی ہے۔ جہاں ظرافت سے گلکاری کی ہے۔ وہاں مارے ہنسی کے بے اختیار پڑھنے والا لوٹ جاتا ہے۔

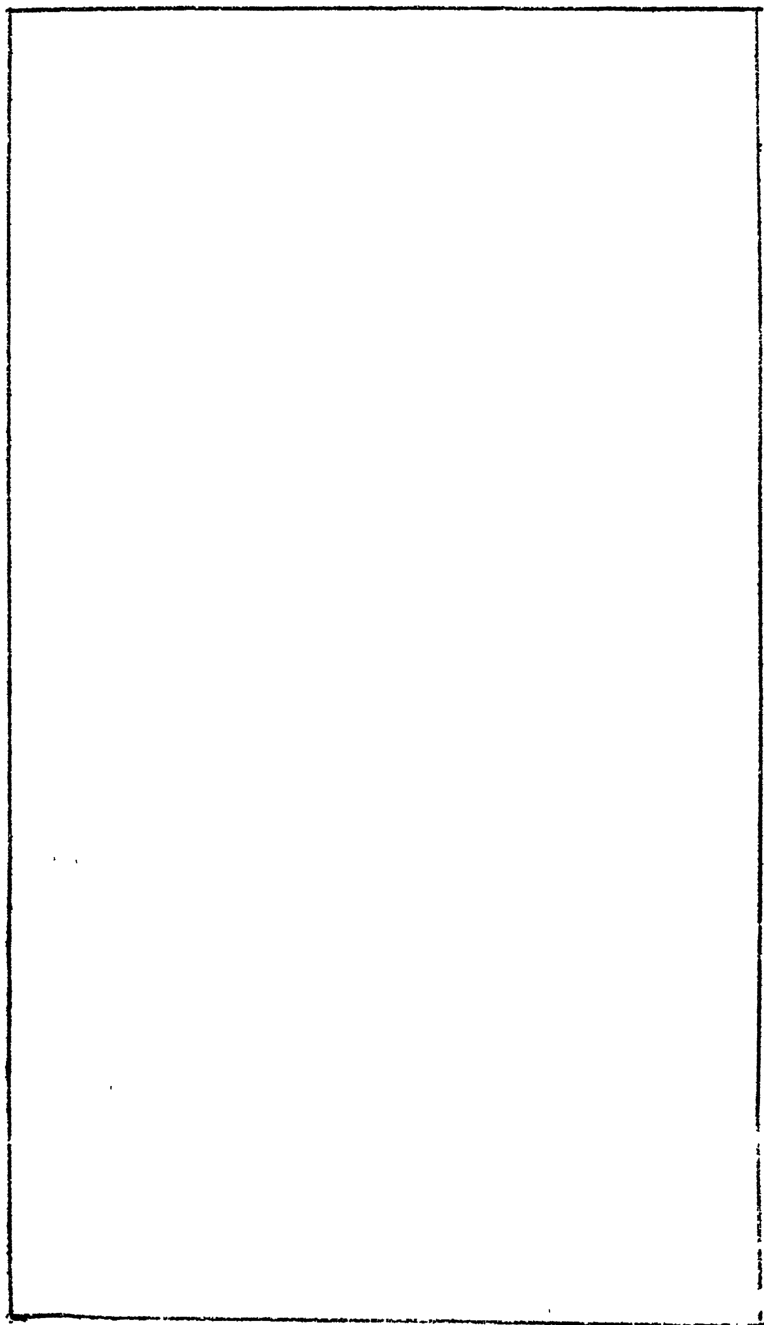
یہ باکمال حضرات اگرچہ مر گئے ہیں مگر زندہ ہیں اور اگرچہ نظر نہیں آتے مگر موجود ہیں۔ انکی تصنیفیں نشانیاں ہیں۔ جنکا نشان اور روایتیں موجود ہیں تو یہ خود موجود ہیں۔ انکے تحریر کی دستکاریاں ایسے تحسین آفرین نئے پہلوؤں سے مزین اور تاجدار ہیں جو کبھی نہیں کملائینگے۔ انکے بگیچے میں انکی سدا بہار پھولوں کے تختے ہیں جن تک خزاں کا ہاتھ قیامت تک نہیں پہنچیگا۔

احمد حسین خان

لاہور

۱۲ - اگست سنہ ۱۹۱۳ء

فہرست مطالب



شیخ ابراہیم ذوق

فصل پہلی

پیدائش اور بچپن

شہر دلّی مین ۔ اُس منتخب روزگار دلّی مین ۔ اُس اُجڑی دیار دلّی مین ۔ جہان لنگڑے دجّال نے ہنگامہ محشر برپا کر دیا تھا ۔ جہان اکبری نورتن نے شہرت یونان پر اوس برسا دی تھی ۔ جہان تخت طاؤس کے جلوہ آرائے نے جشن مہتابی سے جشن فریدون و نوروز جم کو مات کر دیا تھا ۔ جہان کئی بار گلی کوچون مین خون کے نالے بہے ۔ جس کی جامع مسجد مین محمد شاہ کا سفید ریش مشیر ؎

کسے نہ ماند کہ دیگر بہ تیغ ناز کشی
مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

کہتا ہوا زوال ہند کے روبرو آ کھڑا ہوا تھا ۔ جہان ۵۷ء کے انقلاب مین سینکڑون ناکردہ گناہ عورتین مہتابی کی طرح زندہ جلا دی گئین ۔ جہان ہزارون معصوم بچے شہید تیغ ستم ہوئے ۔ اسی دلّی مین جو کئی بار اجڑی اور کئی بار بسی ایک چھوٹا سا مکان کابلی دروازہ کے پاس تھا ۔ اس مکان مین ایک غریب سپاہی شیخ محمد رمضان نامی رہتا تھا ۔ محمد رمضان کی آمدنی معمولی تھی ۔ مگر کنبہ بھی کوئی ایسا

لمبا چوڑا نہ تھا۔ اسلئے شیخ موصوف باوصف قلیل آمدنی کے اپنی زندگی آسودہ طور پر گذارتا تھا۔ شیخ محمد رمضان بہت معتبر اور بالیاقت انسان تھا۔ اسلئے نواب لطف علی خان نے اپنے حرم سرائے کے کاروبار بھی اُسی کے سپرد کر رکھے تھے۔ شیخ صاحب کی نشست و برخاست عموماً بڑے بڑے آدمیون مین تہی اور زمانہ کے تجربہ اور عالموں کی ہمنشینی نے انکو حالات زمانہ سے باخبر کردیاتہا۔ چنانچہ شیخ صاحب کو بہت سے قصے اور فسانہ ازبر تھے۔ اور اُنکی زبانی باتین کتب تاریخ کی بیش بہا سرمایہ سے کم نتھین۔ شیخ صاحب کے گرد ہروقت بچوّن کا ہجوم رہتا تھا۔ اور ہر وقت کھانیوںکی فرمائیش کا تانتا لگا رہتا تھا۔ انہین شیخ صاحب کے گھر ۱۲۰۴ھ میں ایک اکلوتا بیٹا پیدا ہوا۔ جسکا نام شیخ ابراہیم رکھا گیا۔ خدا کے کار خانہ بہی عجیب ہین۔ اسوقت کسے خبر ہوگی کہ غریب سپاہی کا لڑکا میدان سخن کا شہسوار ہوگا۔ کس کو علم ہوگا کہ اس رمضان سے جو چاند نکلا ہے وہ سپہر سخن پر عید کا چاند بنکر چمکیگا۔ کون کہسکتا تھا کہ نواب لطف علیخان کے معتمد کا پسر ولیعہد سلطنت کا اُستاد کہا یگا۔

کہتے ہین کہ شیخ ابراہیم کی ولادت کی رات شیخ رمضان نے خواب مین دیکہا کہ ایک پرانے فیشن کا بزرگ دارھڑی دار پگڑی باندہے ہے۔ بڑا گھیردار جامہ پہنے مشروع کاڑہیلا پاجامہ زیب تن کئے جریب ٹیکتا ہوا آیا۔ اور سرہانے کھڑا ہوکر کہنے لگا "اے شخص آج وہ صاحب کمال عالم ارواح سے کشور اجسام مین آنے والا ہے جسکا نام شہرت عام بنکر جہان مین مشہور ہوگا۔ جو کشور سخن مین مدت تک اپنا سکہ چلائیگا۔ اور مجھ عاجز کا نام زندہ کریگا۔ سلے شخص زہے قسمت تیری کہ تیرے نطفہ سے ایسا صاحب کمال پیدا ہوئے"

حافظ احمد یار کا جو ایک نامور حافظ تھے اور سرکار عالی مین حافظان قرآن مین نوکر تھے اور جو سید انشا کے یار غار تھے قول ہے کہ مین نے خواب مین دیکہا کہ ایک جنازہ رکھا ہے اور بہت سے لوگ جمع ہین۔ چنانچہ سید انشاء بھی سر برہنہ کھڑے ہین۔ اِتنے مین حافظ عبدالرحیم نے جو حافظ احمد یار کے والد بزرگوار تھے انشاء کے کان مین کچھ کہا۔ انشاء نے ایک پیالہ دودہ سے بہر کر شیخ ابراہیم کے ہاتھ مین دیا اور کہا کہ پی جاؤ۔ شیخ علیہ الرحمۃ جہجکے کہ حافظ عبدالرحیم خود اُٹھے اور کہا کہ پی لو۔ حافظ جی پیچھے بہر بہر کے دیتے جاتے تھے اور

شیخ صاحب پیٹے جاتے تھے۔ حافظ موصوف نے پوچھا کہ قبلہ یہ کیا معاملہ ہے۔ اور جنازہ کس کا ہے اور یہ سوگوار کون ہیں۔ جواب ملا کہ یہ مرزا شیخ کا جنازہ ہے اور میاں ابراہیم انکے جانشین مقرر کئے گئے ہیں۔ چنانچہ جو میاں ابراہیم نے بیان سے انکے کلام میں درد سے اثر پیدا ہوتا تھا۔

میر تقی کا انکے والد کے خواب میں تشریف لانا اور میر سودا کا انکو شاد کام مقام بنانا میری رائے ناقص میں الشیائی برد اذہین ہیں جو دلی والوں میں سینہ بسینہ چلی آتی ہیں۔ تاوقتیکہ کوئی تحریری ثبوت نہ ہو ان پر آسانی سے اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

شیخ ابراہیم جب پڑھنے کے قابل ہوئے تو انکو حافظ غلام رسول کے مکتب میں بھیجا گیا۔ حافظ جی انکے پڑوس ہی میں رہتے تھے اور اکثر محلہ کے لڑکے انہی کے پاس پڑھتے تھے۔ انہیں بھی وہیں بٹھا دیا گیا۔

شیخ صاحب کو مکتب میں گئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ چیچک نے آدبایا۔ اور اس زور سے نکلی کہ تل دھرنے کو جگہ نہ رہی اور نتیجہ یہ ہوا کہ اس بدبخت مرض نے ان کا چہرہ آئندہ ساری عمر کے لئے بدشکل کر دیا۔

حافظ غلام رسول شاعر بھی تھے شوق تخلص کرتے تھے۔ ان دنوں دلی میں گھر گھر شعر و سخن کا چرچا تھا۔ اور اہل محلہ اکثر حافظ جی سے غزلیں کہوا لیجایا کرتے تھے۔ اور شوقین نوجوان تو اکثر مکتب میں تمام دن ہی بیٹھے رہتے تھے۔

غرض مکتب میں پڑھائی تو معمولی ہوتی تھی ہر وقت شعر و سخن کا ہی چرچہ رہتا تھا۔ میاں ابراہیم نے جب دیکھا کہ شعر ایک ایسی چیز ہے جس کی بدولت ہر وقت میلا لگا رہتا ہے۔ اور واہ واہ سبحان اللہ کی ہر دم بوچھاڑ رہتی ہے تو انکو بھی شعر کہنے کا شوق چرایا۔ ایک تو قدرتی ذہین تھے دوسرے ہر وقت وہاں یہ ہی شغل تھا۔ سنتے سنتے انہیں بہت سے شعر یاد ہو گئے۔ اور ہر وقت اشعار پڑھتے پھرا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ شوق کا یہ عالم ہوا کہ درگاہوں اور مزاروں پر جاکر دعائیں مانگا کرتے اور منتیں مانتے تھے۔ کہ یا الٰہی مجھے بھی شعر کہنا آجائے۔

فلاسفروں کا قول ہے کہ ہر ایک انسان میں ایک خاص ملکہ ہے جس کے باعث وہ شخص اس کام کو جس سے اسے رغبت ہو بہ آسانی اور دوسروں سے

و بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔ مثلاً بعض ایسے اشخاص دیکھنے میں آتے ہیں۔ کہ ریاضی سے
مناسبت خاص انکو ہوتی ہے۔ اور علم زبان کیطرف توجہ نہیں کرتے۔ برخلاف
اسکے بعض ریاضی سے سخت نفرت کرتے ہیں۔ مگر اعلے درجے کے زباندان ہوتے
ہیں۔ ڈاکٹر جانسن کہ اقلیدس سے کوسون بھاگتا تھا۔ مگر نظم و نثر کے میدان
مین کبھی برق تھا کبھی باد و باران۔

یہ ملکہ عہد طفلی سے ہی ظہور پذیر ہونے لگتا ہے یعنے جیسے جارج اسٹیفنسن
موجد ریل گاڑی میں لڑکپن سے اختراع و ایجاد کا خاص ملکہ تھا۔ جب وہ بچہ ہی
سے تھے تو مٹی کے جزیرہ اور کلین بنایا کرتے تھے۔ شیخ موصوف مین بھی شاعری کا
جوہر قدرتی تھا۔ اور اسی جوہر کے ذریعہ مکتب ہی مین ٹوٹے پھوٹے شعر جوڑنے
اور قافیہ بندی کرنے لگے۔ انکی طبیعت مثل باروت کے تھی۔ جسمین حافظ غلام رسول
کی شاعری نے دیا سلائی کا کام کیا۔ غرض جب میان ابراہیم مکتب سے رخصت ہو
تو علمی لیاقت شد بود ہی تھی۔ مگر شاعری کے عاشق زار تھے۔

کہتے ہین سب سے پہلے جو دو شعر انہون نے کہے وہ حسن اتفاق سے حمد و نعت
مین تھے۔ پہلا شعر خداوند تعالے کی تعریف مین تھا۔ اور دوسرا سرور کائنات کی
میری رائے مین یہ بات مشکل سے قابل یقین متصور ہو سکتی ہے۔ اور شیخ
علیہ الرحمتہ کے ہوا خواہون کا من گھڑت یا طبعزاد چٹکلہ ہے۔ جبتک شاعر
پہلے مضمون نہ سوچ لے اسے لفظون مین ادا نہین کر سکتا۔ اگر صاحب آمد ہے
تو بھی پہلے مضمون کا دماغ مین قائم ہونا ضروری ہے۔ اور صاحب آورد ہے
تو ایک شعر بغیر سوچے سمجھے نہین لکھ سکتا۔ پس جب یہ صورت ہے۔ تو یہ کس
طرح قرین قیاس ہو سکتا ہے کہ دو شعر جو کہ خود بخود موزون ہوگئے ایک حمد مین تھا اور
دوسرا نعت مین اور پھر ترتیب بھی درست یعنے پہلا حمد مین اور پچھلا نعت مین۔
میرے خیال مین اصل بات یون ہے۔ کہ پہلے دو شعر جو شیخ علیہ الرحمتہ نے
عروض کے قاعدہ کے بموجب موزون کئے وہ بالارادہ حمد و نعت مین لکھے
خواہ کچھ ہی معاملہ ہو۔ بہر حال شیخ صاحبکو دو شعرونکے موزون ہونے سے
وہ خوشی ہوئی کہ جسکا کچھ ٹھکانہ نہ تھا۔ گویا دولت ہفت اقلیم مل گئی۔ ان دو شعرونکو
رنگ برنگ کی روشنائیون مین لکھتے تھے۔ جو ملتا تھا۔ اسے سناتے تھے اور
پھولے نہ سماتے تھے۔ حافظ غلام رسول نے جب شعر سنے تو بہت خوش ہوئے اور

کہنے لگے یہ قدرتی اتفاق بھی فال ہمایون ہے۔ اور مین پیشین گوئی کرتا ہون کہ یہ لڑکا صاحب اقبال ہوگا۔ حافظ جی کی تعریف نے سمند ناز پر تازیانہ کا کام کیا۔ اور رفتہ رفتہ انکا اشتیاق اس قدر بڑھا کہ فنافی الشعر ہوگئے۔

شیخ صاحب کی تیزی ذہن براقی طبع اور قوت حافظہ کے بارہ مین بھی بہت سی روایتین سنی جاتی ہین۔ کہتے ہین کہ جو چیز ایکدفعہ سن لیتے یا دیکھ لیتے تھے وہ انکو کبھی نہ بھولتی تھی۔ روایت ہے کہ زمانہ شیر خواری مین ایکدن انہین شدت سے [illegible] چڑھ آیا۔ والدہ نے انہین پلنگ پر بٹھا کر لحاف اڑھا دیا۔ اور آپ کسی کام کو چلی گئین۔ سردی کا موسم تھا۔ ایک بلی گرم لحاف دیکھکر اسمین گھس آئی۔ شیخ صاحب کو بلی کی خرخر کی آواز سے نہایت تکلیف ہوتی تھی۔ لیکن نہ ہٹا سکتے تھے نہ کسی کو پکار سکتے تھے۔ گھبرا گھبرا کر رہجاتے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد والدہ باورچیخانہ سے واپس آئین اور بلی کو ہٹایا۔ لوگ کہتے ہین کہ اسوقت شیخ صاحب کی عمر کوئی برس [illegible] کی تھی۔ شاید دس [illegible] مہینہ کے تھے اور اس قدر بات انہین یاد تھی۔ چنانچہ جب بڑے ہوکر انہون نے اپنی والدہ [illegible] سے دریافت کیا تو انہون نے یاد کرکے اس واقعہ کی تصدیق کی۔ ایسی ہی ایک روایت [illegible] کی بابت بیان کیجاتی ہے۔ کہ جب وہ دو سال کا تھا تو کسی چور نے اسکی ٹوپی چرالی۔ الغرض [illegible] دیکھا اور [illegible] [illegible] [illegible] سخت تعجب آتا ہے۔ محققین علم فرینالوجی یعنی علم دماغ کا قول ہے کہ قوت حافظہ کے متعلق جو عضو دماغ مین ہے وہ جبتک بچہ دو تین سال کا نہ ہوجائے اپنی کار روائی نہین کرسکتا۔ یہ [illegible] علم کا مسئلہ [illegible] ہے۔ اگر اسکو درست مانا جائے تو شیخ صاحب کی حافظہ کی روایتین مبالغہ معلوم ہوتی ہین۔ مگر اتنا تو ضرور کہونگا کہ انکا کلام انکی ذہانت اور قوت حافظہ کا کامل ثبوت اور [illegible] شہادت ہے۔

فصل دوسری

طبعی حالات اور عادات

میاں ابراہیم کی تصویر ملاحظہ ہو۔

قد پستہ۔ رنگ سانولا۔ بدن نہ فربہ نہ دُبلا۔ مُنہ پر بڑے بڑے چیچک کے داغ تھے چہرہ کا نقشہ کھرا کھرا تھا۔ اور اگر چیچک نہ نکلتی تو شاید چہرہ کو بحالت مجموعی ملیح کہہ سکتے۔ مگر ۱۰ دفعہ چیچک نکلی جس نے نقش و نگار کی خوبی کو تہ و بالا کر دیا۔ آنکھیں اگرچہ بڑی بڑی نہ تھیں۔ مگر دور بینی کے نور سے منور تھیں۔ سُستی یا کاہلی چھو نہیں نام کو نہ تھی۔ اور بدن میں ہر وقت پھرتی پائی جاتی تھی۔ چلتے بہت جلد تھے آواز بلند اور پُر تاثیر تھی۔ اُنکے پڑھنے کی طرز رونق کلام کو دوبالا کر دیتی تھی۔ شعر چاہے معمولی حیثیت کا ہو۔ مگر اس خوبی سے ادا کرتے تھے کہ سامعین کو داد دینی ہی بن پڑتی تھی۔ مشاعرہ میں اس جوش سے غزل پڑھتے تھے کہ محفل گونج اُٹھتی تھی۔ صفائی پسند انتہا درجہ کے تھے۔ اور لباس ہر وقت سفید رکھتے تھے۔ کپڑا میں ذرا مٹی یا کسی شے کا داغ لگا اور انہوں نے بدلا۔ لفظ "درست" ان کا تکیہ کلام تھا۔

شیخ جی کے مخالف اکثر ان پہ بہتان کہا کرتے تھے۔ ایکدن ایک شخص نے آپ کے پستہ قامت ہونے پر چوٹ کی۔ تو آپ ہنس پڑے اور فی البدیہ یہ شعر کہا ؎

آدمیت سے ہے بالا آدمی کا مرتبہ
پست ہمت یہ نہ ہووے پست قامت ہو تو ہو

ایک اور منہ پھٹ نے صاف اُنکے منہ پر کہدیا - کہ شیخ جی جب خدا حُسن تقسیم کر رہا تھا - تو آپ کہان تھے اُنہوں نے جواب دیا کہ مین اُسوقت اوج کمال کے پنگ سے پچھوایا ہوا تھا - اور بقلئے دوام مجھے پنگھا جھل رہی تھی -

حقہ پینے کی سخت عادت تھی - کسی وقت مُنہ سے حُقہ الگ نہ ہوتا تھا - حتے کہ جب مکان ضرور جاتے تھے تو حُقہ ساتھ لیجاتے تھے - اور تین چار چلمین بیت الخلا مین ہی پیتے تھے -

صفائی پسند اسدرجہ کے تھے کہ وضو کے وقت ایک لوٹے سے برابر کلیان کئے جاتے تھے - ایکدن مولوی محمد حسین آزاد نے جو اُنکے شاگرد رشید ہین پوچھا کہ قبلہ ایک کلی نہسہی دو سہی - ایک لوٹے سے برابر کلیان کرنے کی علت غائی کیا ہے - متاسفانہ طور سے جواب دیا کہ خدا جانے تمام دن کیا کیا ہزلیات منہ سے نکلتی ہین - ایسے مُنہ سے جب خدا کا نام لیتا ہون تو مُنہ پاک کرلیتا ہون یہ کہا اور آنکھون مین آنسو ڈبڈبا کر یہ البدیہ مطلع زبان پر لائے -

پاک رکھ اپنا دہان ذکر خدائے پاک سے
کم نہین ہرگز زبان منہ مین تیرے مسواک سے

شیخ صاحب کا معمول تھا کہ رات کا کھانا دس گیارہ بجے کھاتے تھے کھانے سے فرصت ہوکر بادشاہ کی غزل درست کرتے تھے - اور غزل سے فراغت پاکر وہی ایک لوٹے پانی سے کلیان کرتے تھے - اور پھر ایک بجے تک رکوع و سجود مین مشغول رہتے تھے - اسکے بعد بستر استراحت پر دراز ہوتے تھے اور علی الصبح نماز کے وقت بیدار ہوتے تھے -

شیخ علیہ الرحمتہ کا مکان نہایت تنگ و تاریک تھا - مگر یہ اُسمین خوش تھے - اس مکان کی انگنائی مین بمدقت ایک چارپائی بچھتی تھی - اس انگنائی مین ایک چھوٹی سی کھڑی کھٹولی پر حُقہ منہ سے لگائے بیٹھے رہا کرتے تھے - میلہ ہو یا عید کا دن ہو یا تہوار شیخ صاحب کو کسی کی شادی غمی سے سروکار نہ تھا - وہ نہ کہین آتے جاتے تھے - اس تنگ مکان مین جسکو وہ قلعہ سے بہتر سمجھتے تھے ایسے بیٹھے کہ مرکر اُٹھے -

اس زمانہ مین عموماً نواب زادون اور شریف گھرانونکے لڑکونکو کنکوے اُڑانے ستار بجانے اور بٹیر لڑانے کا بڑا شوق تھا - دیکھادیکھی شیخ صاحب کے

بھی شوق پیدا ہو گیا - ایک دن اُڑاتے اُڑاتے چھت پر سے گر پڑے [illegible] گئے [illegible]
کو جس سے - ایک دن [illegible] کو پوچھے [illegible] ٹوٹ گئی [illegible] پیچھے
جس سے پشت اور سر پر سخت چوٹ لگی - مگر [illegible]
سمجھی - جس سے ایسی توبہ کی کہ پھر کبھی پتنگ کو ہاتھ نہ لگایا -

چند دن علم موسیقی کا بھی شوق رہا - اور اس فن میں کچھ شد بود حاصل بھی کی - مگر چند دنوں سے ایک صاحب قوال گویا آیا - اُس سے جب انکی ملاقات ہوئی تو اُس نے کہا کہ میاں تم تضیع اوقات کرتے ہو - تمہیں اس کا مذاق قدرتاً نہیں علاوہ بریں اس فن کے سیکھنے والے کو کم از کم سو برس کی عمر چاہیے - یہ سنکر اِن کا دل برداشتہ ہو گیا - اور یہ کہکر کہ سپاہی زادے سے ڈوم بنا کیا ضرور موسیقی کا شوق یک قلم چھوڑ دیا -

میری رائے میں اُس گویے نے درست کہا - بعض علماء تشریح کے نزدیک موسیقی کا مدار ایک خاص عضو دماغ پر ہے جس کو اصطلاح فرینالوجی میں الحان کہتے ہیں - تا وقتیکہ یہ عضو بہرپور نہ ہو - انسان کبھی عمدہ موسیقی دان نہیں ہو سکتا - شیخ علیہ الرحمتہ میں یہ عضو کمزور تھا - اور چاہے وہ کتنی ہی کوشش کرتے انکو کبھی اس فن میں کمال حاصل نہ ہوتا - انکی طبیعت قدرت نے شاعری کے لئے ہی وضع کی تھی - اور بہتر ہوا کہ ظاہری اسباب بھی ایسے ہوتے گئے - جن سے انہوں نے اس میدان میں دل کھولکے اپنا کمال ظاہر کیا -

میں اسبات کو کبھی نہیں مانتا - کہ جو موسیقی سیکھے وہ خواہ مخواہ ڈوم بنجاتا ہے - یہ فن فی نفسہ ایک بڑی قابل قدر اور پُر تاثیر شئے ہے - اور مانند اُس لومڑی کے جس نے بلندی انگوروں کو دیکھ کے کہا تھا "ابھی کچے ہیں کون دانت کھٹے کرے" شیخ صاحب کا یہ قول کہ راگ سیکھکر انسان یا تو ڈوم کہاتا ہے یا عطائی کا خطاب پاتا ہے - محض اس وجہ سے تھا - کہ انکو اس فن میں دسترس حاصل نہ ہو سکی - ہندوستان میں یہ فن اسلئے ذلیل ہو گیا ہے کہ اسکو ناخواندہ اور رذیل لوگوں نے اختیار کر لیا ہے -

شیخ مرحوم نے چند روز علم طب کی طرف بھی توجہ کی - مگر اسمیں جراحی فن قابلہ اور تشریح انسانی کے ادق مسائل کے لیے محنت شاقہ درکار تھی جو پیدا نہ کر سکے - آخر یہ کہکر کہ ناحق نیم حکیم خطرہ جان بنکر کیا لونگا اسکو بھی چھوڑ دیا -

اسکے بعد نجوم و رمل کا شوق ہوا۔ اگرچہ حفظاً و نقداً احکام نجوم اچھے دیکھنا چاہتے تھے۔ مگر شیخ علیہ الرحمۃ اکثر رمالون اور نجومیون کی صحبت پسند کرتے تھے اور میرا ایسا خیال ہے کہ انکو ضرور اعتقاد تھا۔ پہلے پہل نجوم کا ایک صاحب کمال شغل پورے پورے رہتا تھا۔ اُس سے نجوم کے مسائل حاصل کیا کرتے تھے۔ اور پھر لچھمن لعل کے کنج مین جوتشی پنڈت تلسی رام سے ملکر جواب سوال کیا کرتے تھے۔ دلیل اسکی کہ انکو نجوم پر اعتقاد تھا۔ یہ ہے کہ اسی پنڈت تلسی رام نے اُن سے کہا تھا کہ آپکی عمر حد ۶۶ یا ۶۸ سال کی ہوگی۔ چنانچہ جب ۶۶ سال کے ہوئے تو ہر دم غمگین رہا کرتے تھے۔ اور دن رات موت کا خیال اُنکے دل پر چھا رہتا تھا۔ اور قدرت خدا ملاحظہ کرو۔ کہ ۶۸ برس کی عمر مین ہی انتقال ہوا۔

شیخ کا مذہب شیعہ تھا۔ اور بڑے متقی اور پرہیزگار تھے۔ اور حتے المقدور کوئی نماز قضا نہ ہونے دیتے تھے۔ لیکن جب تقاضائے عمر کے باعث ضعف جسمانی زیادہ ہوگیا۔ تو روزہ رکھنا چھوڑ دیا۔ پھر بھی کسی کے سامنے کہاتے پیتے نہ تھے۔

ایکدن طبیعت ناساز تھی۔ اور ملازم بھی نیا رکھا تھا۔ اسکو خبر نہ تھی کہ انکا کیا دستور ہے۔ وہ شربت نیلوفر کٹورے مین گھولکر وہین لے آیا۔ جب اُس نے کٹورا لاکر دیا۔ تو ہنس پڑے اور فی البدیہہ کہا ؎

پلائے آشکارا ہمکو کس کی ساقیا چوری
خدا کی گر نہین چوری تو پھر بندے کی کیا چوری

انکی رحمدلی بڑی مشہور تھی۔ کسی کو روتا دیکھتے تو اُنکے دل پر بھی رقت طاری ہو جاتی تھی۔ عمر بھر کبھی اپنے ہاتھ سے جانور ذبح نہین کیا۔ بلکہ جب کبھی راہ مین مرغ یا بیڑ ذبح ہوتا دیکھتے تھے تو معاً منہ پھیر لیتے تھے۔ انکی رحمدلی اور خوف خدا کے بارہ مین بہت سی حکایتین اور لطیفے مشہور ہین جو اس موقع پر خالی از لطف نہ ہونگے۔

ایکدفعہ شیخ صاحب کو عالم شباب مین ایک مجرب اور سریع التاثیر نسخہ قوت باہ کا ہاتھ آیا۔ ارادہ کیا کہ اسکو بنائے۔ اُس نسخہ کی ایک جز و چالیس چڑیونکا مغز تھا انگنائی مین جال لگا کر تین چار چڑے پکڑے اور ایک تھیلے مین ڈالے۔ مگر ان بیزبانون کا چیخنا اور پھڑکنا دیکھکر دل بیقابو ہوگیا۔ اور خیال آیا کہ آخر ان مین

ابھی تو جان ہے۔ ایک پل کی پل مرنے کے لئے چالیس بے گناہوں کو مارنا
دانشمندی سے بعید ہے۔ آخر خدا کو منہ دکھانا ہے۔ یہ کہا اور فوراً اُنکو آزاد
کیا اور نسخہ کو پھاڑ چیر کر پھینک دیا۔

ایکدن حافظ دیران جو اُنکے مشہور شاگرد تھے اور شیخ مرحوم دونوں نواب
زینت محل کے مکان کے قریب جا رہے تھے کہ ایک زنبور شیخ مرحوم کی گردن
پر آبیٹھا اور ڈنک مارا۔ شیخ علیہ الرحمۃ شدت درد سے بیتاب ہو گئے۔ مگر زنبور کو
مارا نہیں اوڑا دیا۔ حافظ دیران نے کہا کہ حضرت آپ نے اُسکو مارا کیوں نہیں فرمایا
کہ مجھے بھی خیال آیا تھا۔ مگر ایک تھوڑی سی تکلیف کے لئے اُسکی عزیز جان لینی مناسب
نہ سمجھی اور یہ شعر پڑھا ؎

نہ چھوڑی ہے سلامت روی کی چال کبھی
چلے جو راہ میں چیونٹی کو بھی سنبھال چلے

ایکدن اسی طرح گھر میں سانپ نکلا۔ لوگ مارنے دوڑے۔ آپ نے منع کیا اور
جب وہ سوراخ میں چلا گیا تو پچھلی طرح سے اُس سوراخ کو بند کروا دیا۔ وہ ہی حافظ دیران
اُس وقت اتفاق سے پاس بیٹھے تھے۔ انکو سخت تعجب ہوا اور کہا حضرت آپ نے غضب کیا
موذی کو نہ مارا۔ شیخ ابراہیم نے جواب میں یہ قطعہ پڑھا ؎

چہ خوش گفت فردوسی پاک زاد
کہ رحمت بر آن تربت پاک باد
میازار موری کہ دانہ کش است
کہ جان دارد و جان شیرین خوش است

حقیقت میں شیخ صاحب کی رحمدلی حد اعتدال سے متجاوز تھی۔ رحمدلی بیشک ایک
اعلیٰ صفت ہے۔ مگر نہ اسقدر کہ موذی کو قبل از ایذا ہلاک نہ کیا جائے۔ تاہم بغیر
حکم خدا کچھ نہیں ہو سکتا۔ مگر کوشش شرط لازمی ہے۔ تصوف کے امام پیغمبر سخن
حضرت شیخ سعدی شیرازی فرماتے ہیں ؎

بے اجل گر کسے نہ خواہد مرد
تو مرو در دہان اژدرہاے

ایسی بھی رحمدلی نہین چاہیے کہ جسمین اپنی جان کے لالے پڑ جایئن۔

شیخ مرحوم جتنے رحمدل تھے اُتنے ہی نیک نیت بھی تھے۔ اُنکے دلمین کسیکی طرف سے کھوٹ نہ تھا۔ اگرچہ شاعر اپنے حریفون اور ہمعصر شاعرون سے نوک جھونکین اکثر ہوا کرتی ہین۔ مگر یہ سب باتین بزم مشاعرہ تک محدود تھین۔ اسکے بعد اُنکے دلمین کسیکی طرف سے کینہ نہین رہتا تھا۔ اُنکا معمول تھا کہ وظیفہ سے فارغ ہوکر دعا ضرور مانگا کرتے تھے۔ سب سے پہلے سلامتی ایمان پھر تندرستی جان۔ پھر عزت وحرمت کی دعا مانگتے تھے۔ اِسکے بعد بادشاہ کی جان ومال کے لئے دعائین مانگتے تھے۔ اِسکے بعد اپنے لڑکے اسمٰعیل کے لئے ہاتھ اُٹھاتے تھے اور آخر کار اپنے جملہ دوستونکی بہبودی خدا سے چاہتے تھے۔ ایکدفعہ مولوی آزاد کے والد اُنکے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اور یہ سرگرم دعا تھے۔ جب درجہ بدرجہ سب کے حق مین دعا مانگ چکے تو اخیر مین کہنے لگے "الٰہی یہ جو میرے دروازہ کے سامنے جمّان حلال خور رہتا ہے اُسکا بیل سخت بیمار ہے۔ الٰہی اُسے بھی شفا دیجیے بیچارا بڑا غریب ہے۔ بیل مرجائیگا۔ تو یہ بھی مرجائیگا" آزاد کے والد یہ سنکر بے اختیار ہنس پڑے۔ اور کہنے لگے۔ شیخ جی کیا اسوقت انجیل مقدس کے دس احکام تو یاد نہین آگئے۔ منجملہ جنکے ایک حکم یہ ہے کہ اپنے پڑوسی کو اپنے جیسا سمجھ۔

شیخ ابراہیم اگرچہ متانت کو ہمیشہ مدنظر رکھتے تھے اور اکثر سنجیدگی اور تھوڑا بولنا پسند کرتے تھے۔ مگر انکی طبیعت مذاق اور ظرافت کی چاشنی سے محروم نہتی اور اکثر اپنے چیدہ چیدہ دوستونکے ساتھ ظرافت آمیز گفتگو کیا کرتے تھے۔

ایکدفعہ موسم برسات مین بادشاہ قطب مین تھے۔ یہ بھی ساتھ تھے۔ حافظ ویران نابینا بھی ساتھ تھے۔ یہ بیٹھے قصیدہ لکھ رہے تھے۔ کہ ایک چڑیا حافظ ویران کے سر پر آبیٹھی۔ حافظ جی نے ہاتھ سے اُڑا دیا۔ تھوڑی دیر مین وہ پھر آبیٹھی۔ حافظ نے غصہ مین سر پر ہاتھ مارا تو چڑیا تو اُڑ گئی۔ مگر فرقدان پہ صدمہ پہنچا۔ شیخ مرحوم کھل کھلا کر ہنسے اور کہا غیبانی حافظ جی کا سر نہ ہوا کبوترون کی چھتری ہوا۔ کچھ خبر بھی ہے یہ ملا ہین۔ عالم ہین۔ حافظ ہین ابھی۔ اُحل لکم الصید کی آیت پڑھکر کلوا واشربوا بسم اللہ اللہ اکبر کر دینگے۔ محبوب علی خان خواجہ سرائے نے جو سرکار شاہی مین مختار تھے۔ مگر مشہور قمار باز تھے کسی بات سے ناراض ہوکر حج کا ارادہ کیا۔ کسی نے شیخ علیہ الرحمۃ سے بھی آکر کہا کہ خواجہ صاحب

کعبہ اب تو جاتے ہیں۔ شیخ مرحوم مسکرائے اور تھوڑی دیر تامل کے بعد یہ مطلع پڑھا ع

[illegible] تمہارے [illegible] میں بت سے نکل چکے
[illegible] چھوڑ کے کعبہ کو جا چکے

دیوان چندو لال نے آپ کا کلام سنکر مصرع طرح بھیجا اور بلا بھیجا۔ آپ نے غزل لکھکر بھیجی اور مقطع میں لکھا ع

ان دنوں گرچہ دکن میں ہے بڑی قدر سخن
کون جائے ذوق پر دلی کی گلیاں چھوڑ کر

مولوی آزاد نے پوچھا کہ قبلہ نہ جانے کا باعث کیا ہے۔ تو فرمایا برخوردار [illegible] اور پھر یہ نقل سنائی۔ نقل۔ ایک لکھنوی دلی تشریف فرما تھے۔ کوئی دس بیس دن رہے مگر طبیعت نہ لگی۔ آخر رخصت ہوئے اتفاقاً ایک کتا جسکا نام موتی تھا ان سے ہل گیا تھا۔ بیچارہ ان کا مارا ساتھ ہو لیا شاہدرہ پہنچکر دلی یاد آئی۔ اور رہ گیا۔ لکھنوی صاحب [illegible] کسی طرح [illegible] ساتھ چلنے [illegible] سرزمین دلی کی وہی [illegible] تھی اس نے [illegible] میاں موتی نے دیکھا کہ شاہدرہ کے کتے گردنیں فربہ [illegible] تیار خوب چکنے چپڑے نظر آتے ہیں۔ ایک کتا موتی کو دیکھکر بہت خوش ہوا۔ اور اسے دلی والا سمجھکر کمال خاطر و مدارات کی۔ حلوائیوں کے بازار میں لے گیا۔ حلوائی کی دوکانات سے ایک بالوشاہی اور [illegible] رکھی [illegible] دوکان سے ایک [illegible] میاں موتی خوب [illegible] کھاتے [illegible] دلی کی باتیں [illegible] تیسرے دن رخصت کے طلبگار ہوئے۔ انکے دوست نے روکا۔ میاں موتی نے دلی کی تعریف [illegible] دوست نے [illegible] میاں موتی کی [illegible] اُن کے یار کو [illegible] شوق دلایا۔ چند دن کے بعد [illegible] دلی کا رخ [illegible] [illegible] دو چار [illegible] آپہنچے [illegible] پھر [illegible] آخر کو [illegible] [illegible] کوئی [illegible] دوست سے ملے۔ میاں موتی [illegible] کہنے لگے [illegible]

وہ آئینہ گھر میں تمہارے خدا کی قدرت ہے

کبھی ہم آنکھ کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں۔

مگر جی میں خوش تھے کہ شکر ہے رات کو آئے ورنہ ساری قلعی کھل گئی تھی۔ لئے مہمان کو لیکر اِدہر اُدہر پھرتے۔ یہ چاندنی چوک ہے۔ یہ جامع مسجد ہے۔ یہ دریبہ ہے۔ مہمان نے کہا یار سیر تو پیچھے بھی ہو جاویگی فی الحال کچھ بھوک کا علاج کرو میرے دم میں دم نہیں۔ موتی بولے واہ تو پہلے کیوں نہ کہا۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔ اِتنے میں جامع مسجد کی سیڑھیوں پر جو جا نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ جانی کبابی مرچوں کی ہانڈی بہو نگیا ہے۔ بہت خوش ہوئے اور کہا یار تو خوش قسمت مہمان دن بہر کا بہوکا تھا مُنہ پہاڑ کر گرا۔ اور ساتھ ہی مُنہ سے مغز تک گویا باروت اوڑ گئی۔ چھینک کر پیچھے ہٹا۔ اور چلا کر بولا۔ واہ یہی دلّی ہے! میاں موتی نے کہا۔ اِس چٹخارے ہی کے مارے تو پڑے ہیں۔

شیخ مرحوم رقیق القلب بہی بہت تھے۔ ذراسی بات کا اُنکو دلپر گھنٹوں اثر رہتا تہا ایکدن حضور میں گئے۔ وہ محل میں تھے وہیں بلوا بہیجا۔ اور کہا آج تمہارا قصیدہ یاد آیا۔ واللہ آپ نے بڑے بڑے شاعروں کے قلم توڑ دیئے۔ مگر تم آج ہمارے لئے قصیدے کہتے ہو جب ہم مرجائینگے تو جو تخت پر بیٹھے گا اُسکے لئے کہوگے۔ انہوں نے عرض کی کہ حضور کا تردد بیجا ہے۔ خیمہ پیچھے گرتا ہے۔ میخیں اور طنابیں پہلے ہی اُکھڑ جاتی ہیں حضور کی عمر صد و بست سالکی ہو ہم حضور سے پہلے ہی اُٹھ جائینگے حضور دیکھیں کہ عرش منزل کے امرا فردوس منزلمیں کہاں تھے۔ فردوس منزلکے اعیان سلطنت اور امیر عرش آرامگاہ میں کہاں ہیں۔ یہ کہکر گھر آئے اور دیر تک روتے رہے۔ اِتنے میں محمد حسین آزاد آگئے۔ اور استاد کو روتا دیکہکر سبب دریافت کیا۔ جواب ملا کہ ہم ہمیشہ نماز کے بعد حضور کی سلامتی جان و عمر و دولت کی دعائیں مانگتے ہیں۔ خدا شاہد ہے۔ اپنا خیال اس طرح آجتک کبھی نہیں آیا۔ اور وہاں حضور کو ہمارا خیال بہی نہیں۔ ساری دنیا اپنے مطلب کی ہے۔ کوئی کسی کا نہیں جسطرف دیکھو نفسی نفسی کی پکار ہے۔

سراسر خلائق چہ مرد و چہ زن

ہمہ طالب مطلب خویشتن *

ادب ایک ایسا وصف ہے کہ دشمن کو دوست بنا تا ہے۔ ادب انسان کا زیور ہے۔

ادب تمغہ شرافت ہے ادب جوہر اہلیت ہے - ادب نسخہ تسخیر ہے - چنانچہ مثل مشہور
ہے با ادب با نصیب - بے ادب بے نصیب - مگر افسوس ہے - یہ صفت جیسی کہ چاہئے
ویسی شیخ صاحب مرحوم مین نہ تھی - شیخ صاحب اپنی لیاقت کے روبرو فرشتہ کا بھی
وجود نہ سمجھتے تھے - اور یہ بات اکثر عوام الناس کو بھی معلوم ہوتی تھی - چنانچہ شیخ
مرحوم پہلے حافظ غلام رسول شوق کے شاگرد ہوئے - اور وہ ان سے ناراض ہو
اسکے بعد انہون نے شاہ نصیر کی شاگردی اختیار کی - اور ان سے تو کھلم کھلا
معرکہ آرائی کی - مانا کہ یہ بڑے لایق تھے - اور ذہانت خداداد کی رسائی سے استادون
پر سبقت لیگئے تھے - مگر انہون نے علانیہ طور پر ان سے مقابلہ کر کے اپنی شہرت کے
دامن پر ایسا دھبہ لگا لیا - جو نہ کبھی مٹا نہ مٹیگا - مولوی آزاد نے حق شاگردی ادا کرکے
اس بات پر پردہ ڈالنا چاہا ہے - مگر اسمین انکو کامیابی نہین ہوئی - تالی دونون
ہاتھون سے بجتی ہے - اگر شاہ نصیر نے ان سے اچھا برتاو نہین کیا تھا تو یہ کنارہ
کرتے اور انکے منصب استادی کا ہر حالمین خیال رکھتے - انکو اپنی لیاقت ظاہر
کرنے کے اور سینکڑون ڈھنگ یاد تھے - جب چاند چڑھتا ہے تو تمام عالم دیکھتا ہے
انکی لیاقت انکی ناموری اور انکا کمال ایسا نہ تھا کہ شاہ نصیر کے چھپانے سے چھپ
جاتا - کیا عجب تھا کہ اگر یہ فرزندانہ اور شاگردون کا سا سلوک کئے جاتے تو شاہ نصیر
اپنی حرکت ناشائستہ سے اگر کوئی تھی تو خود منفعل اور پشیمان نہ ہوتے - مگر شیخ مرحوم نے
جوش جوانی مین حق شاگردی بالائے طاق رکھا - اور مشاعرہ عام مین مقابلہ پر
کھڑے ہوگئے -

مولوی آزاد آبحیات مین لکھتے ہین - کہ ایکدن نواب الٰہی بخش خان نے استاد
مرحوم کو بلوا بھیجا - اتنے مین حافظ غلام رسول شوق یعنے استاد مرحوم کے قدیمی استاد
بھی اسی وقت آ نکلے - نواب انہین دیکھکر مسکرائے اور استاد مرحوم نے اسی طرح
سلام کیا جو سعادتمند شاگردون کا فرض ہے - وہ ان سے خفا رہتے تھے کہ شاگرد
میرا مجھے غزل نہین دکھاتا - شیخ مرحوم نے وہان ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا - اور رخصت
چاہی - حافظ جی نے اپنی غزل پڑھنی شروع کر دی - نواب نے چپکے سے کہا - کان
بدمزہ ہوگئے - کوئی اپنا شعر سناتے جاؤ - استاد مرحوم نے دو مطلع
پڑھے -

جینا نظر اپنا ہمین اصلا نہین آتا

گر آج بھی وہ رشک مسیحا نہیں آتا
مذکور تیری بزم میں کس کا نہیں آتا
پر ذکر ہمارا نہیں آتا نہیں آتا

میں پوچھتا ہون کہ جب اُنکے قدیمی اُستاد تشریف لائے تھے تو اُنہوں نے یہ نامناسب کیون نہ سمجھا۔ کیا اُنکو حافظ شوق کے اشعار ایسے بُرے معلوم ہوتے تھے۔ کہ اُنکو سننا تضییع اوقات سمجھتے تھے۔ اگر اُنکی تضییع اوقات بھی تھی تو سعادتمندی اِسی امر کی مقتضی تھی کہ جب اُن کا اُستاد غزل پڑھنے لگا تھا تو ہرگز نہ اُٹھتے۔ اور حتے المقدور اُنکی تعریف کرتے۔ جب کوئی شخص تقریر کر رہا ہو یا لکچر دے رہا ہو۔ تو جبتک وہ شخص خاموش نہ ہولے وہان سے چلا آنا اخلاق سے بعید اور گستاخی سمجھا جاتا ہے۔ چہ جائے کہ یہان تو اُنکا اُستاد غزل سُنا رہا تھا۔ اور اُستاد بھی وہ جس نے اُنہیں الف بے سکھائی۔ شیخ مرحوم کو چاہیے تھا کہ دل سے اُستاد کی تعظیم و تکریم کرتے۔ ظاہر التعظیم محض اُنکی ظاہرداری تھی۔

میں یہ نہیں کہتا کہ شیخ علیہ الرحمۃ کے دل میں شاہ نصیر یا حافظ غلام رسول کی طرف سے کوئی عداوت تھی۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اُنکا دل کینہ کی آلایش سے صاف تھا۔ نقص صرف اتنا تھا۔ کہ اُن کا جوش جوانی اور اُنکی ذاتی لیاقت اُنکو کبھی [illegible] رہنے نہ دیتی تھی۔ اور اسی وجہ سے حافظ شوق تو اُن کی صورت سے بیزار تھے۔

آزاد کا یہ عذر کہ حافظ شوق اِس وجہ سے ناراض تھے کہ [illegible] ہو گئے تھے [illegible] نہیں دکھاتا قابل پذیرائی نہیں ہے۔ اصلاح کی ضرورت [illegible] عمر اور ابتدا [illegible] میں ہوا کرتی ہے۔ جب اُنہوں نے اپنی محنت اور ذاتی جوہر سے وہ لیاقت بہم پہنچائی تھی کہ اُنکا کلام کسی اصلاح کا محتاج نہ تھا اور کئی مشاق خود اُن سے اصلاحیں لیتے تھے تو مجھے یقین نہیں آتا۔ کہ حافظ غلام رسول جیسا شخص ایسی بیہودہ وجہ پر خفا ہو جاتا۔

پس اصل معاملہ [illegible] کہ اُنہیں بہت جلد [illegible] اُستادوں کی ضرورت نہ رہی اور اپنی خدا داد لیاقت کے باعث اُستادوں پر سبقت لے گئے۔ جس سے اُنکو ایک قسم کا رشک ہوا۔ اگر شیخ موصوف بُردباری اور تحمل سے کام لیتے تو ان کے اُستاد بجائے اِسکے کہ اُن سے معرکہ آرائی کرتے۔ اُنکی شاگردی سے فخر کرتے اور اُنکی اُستادی پر نازان ہوتے۔

شیخ مرحوم کا ہمیشہ توکل پر بھروسہ تھا۔ اور رضینا بالقضا کے اصول کو ہمیشہ مدنظر رکھتے تھے اور اکثر کہا کرتے تھے ؎

اے قناعت تو نگرم گردان
وکہ ورائے تو ہیچ نعمت نیست
کنج صبر اختیار لقمان است
ہرکہ را صبر نیست حکمت نیست

اُنہون نے کبھی بادشاہ سے ترقی جاہ ومنصب کا سوال نہین کیا۔ اور جو اُنہون نے خود بخود بخشا اُسی پر قانع رہے۔ جب ابوظفر بادشاہ ہو کر بہادر شاہ ہوئے۔ تو مرزا مغل بیگ کی کارستانی سے شیخصاحب کی تنخواہ صرف ۱۰۰ روپیہ ماہوار مقرر ہوئی۔ یہ بات شیخصاحب کو ناگوار گذری۔ اور دل شکستہ ہو کر اِس امر کی میان عبدالعزیز خان صاحب سے جو فراشخانہ کی کھڑکی رہتے تھے اور ایک مرد مرتاض تھے اور اِنکو اُن سے بہت اعتقاد تھا شکایت کی۔ اسپر اُنہون نے اِنکو قناعت کا سبق پڑھایا اور کہا جو قسمت مین لکھا ہے وہ بہر صورت مل رہے گا ؎

آنچہ نصیب است بہم میرسد
گر نستانی بستم میرسد

شیخصاحب نے اُنکی ہدایت کو تسلیم کیا اور پھر کبھی شکایت نہین کی۔

فصل تیسری

نشو ونمائے شاعری

اِسی مکتب مین میر کاظم حسین نام ایک اِنکے ہمعصر اور ہم سبق تھے کہ نواب

سید رضی خان مرحوم کے بھانجے تھے۔ بیقرار تخلص کرتے تھے۔ شیخ مرحوم اور انہیں بہت دوستی تھی۔ اور اتحاد طبعی کے باعث اکثر اکٹھے رہتے تھے۔ دونوں مشق کے میدان میں ملکر گھوڑے دوڑاتے تھے۔ اور حافظ غلام رسول سے اصلاح لیتے تھے۔ حافظ جی کا تخلص شوق تھا۔ اور اسی رعایت سے شیخ مرحوم نے ذوق تخلص اختیار کیا۔

میر بیقرار۔ اور شیخ ذوق یوں تو حافظ شوق سے اصلاح لیتے تھے۔ مگر اصلاح انکے خاطر خواہ نہ ہوتی تھی۔ رفتہ رفتہ انکے ذہن میں یہ بات سما گئی کہ حافظ شوق کو جو کچھ شد بود آتا تھا وہ تو سیکھ لیا اب کسی اور لایق شخص کی شاگردی اختیار کریں۔

مولوی آزاد نے آبحیات میں شیخ مرحوم کی تیزی طبع دکھانے کے لیے اُن کی ابتدائی مشق کا ایک شعر لکھا ہے۔ جو بطور نمونہ سمجھنا چاہیے وہ شعر یہ ہے ؎

ماتھے پہ تیرے جھمکے ہے جھومر کا پڑا چاند
لا دوسہ چڑھے چاند کا وعدہ تھا چڑھا چاند

شیخ مرحوم ابھی مبتدی تھے اور بیشک یہ شعر انکے ذہن کی جودت اور طبیعت کی براقی ظاہر کرتا ہے۔ مگر ایکدن کا ذکر ہے کہ میرے ایک عزیز دوست حکیم امین الدین بیرسٹر ایٹ لا مجھے ملنے آئے۔ اور اتفاق سے میں نے یہ شعر انکے روبرو پڑھا۔ وہ بھی مشہور شعر فہم ہیں۔ انکی یہ رائے تھی کہ یہ شعر معمولی ہے اور کوئی ایسے بڑے پایہ کا نہیں ہے۔ وہ کہنے لگے۔ کہ لفظ "پڑا" پہلے مصرعہ میں بڑا اکرخت ہے اور "جھمکے" ایک ایسا زیور ہے کہ صرف کان میں پہنا جاتا ہے اور ماتھے پر جھومر کے ساتھ اس لفظ کا استعمال اسکو ذو معنے نہیں بناتا۔ دوسرے مصرعہ کی بابت انہوں نے یہ کہا کہ عاشق کی زبان سے فرضخواہوں کے لہجہ میں تقاضا نہیں سجتا اور ایک انہونی بات ہے۔ مگر میرا اُن سے اتفاق نہیں۔ میری یہ رائے ہے کہ ایک مبتدی کے منہ سے ایسے شعر کا نکلنا بیشک اسکی براقی طبیعت کی دلیل ہے۔

شیخ مرحوم کے خیال میں جب یہ بات سما گئی کہ کسی اچھے مشاق کی شاگردی ضروری ہے تو انکو اس قسم کے آدمی کی تلاش ہوئی۔ اتفاقاً ایکدن میر کاظم

حسین بیقرار نے غزل لاکر سنائی جسکے اشعار گرم تھے اور کل غزل بہ پختگی ہوئی تھی۔ شیخ مرحوم نے کہا میر صاحب اسمین تو کسی مشاق نے کاریگری کی ہے حافظ جی کا یہ دماغ نہین کہ ایسی اصلاح دیسکین۔ انہون نے کہا ہم تو شاہ نصیر کے شاگرد ہوگئے ہین۔ اور انہین سے یہ اصلاح لی ہے۔ شیخ مرحوم کو بھی اشتیاق ہوا۔ اور میر صاحب کی وساطت سے شاگرد ہوگئے۔

شاہ نصیر ایک مشہور و معروف شاعر گذرے ہین۔ اصل نام انکا نصیر الدین تھا مگر چونکہ رنگت نہایت سیاہ تھی عرف انکا میان کلو تھا۔ زبردست شاعر۔ اور کہن سال مشاق تھے۔ انکی شاعری نے دکہن مین شعر گوئی کے شوق کو جو بجھے ہوئے چراغ کیطرح بالاے طاق پڑا تھا پھر روشن کیا۔ لکھنؤ مین سید انشا۔ مصحفی اور جرأت کے معرکون مین شریک ہوئے۔ اور جہان گئے وہین دولت کے فرشتہ نے انکی ضیافت کی۔ اور جس جگہ ٹھہرے وہین انکے علم استادی کے سایہ تلے سینکڑون شاگرد جمع ہوگئے۔ شاہ صاحب کی بدیہ گوئی اور حاضر جوابی نے خاص و عام کو تسخیر کر رکھا تھا۔ اور کیا مجال کہ انکی چست کلام مین ذرا بھی سستی کا نشان ہو۔ اصلاح نہایت جلد دیتے تھے۔ اور یہ اصلاح برجستہ ہوتی تھی۔ شاہ صاحب کی تیزی طبع کا نمونہ اس غزل سے ظاہر ہے۔

غزل

زیب تن گرچہ ہے گل پیرہن سرخ تیرا
لیکن انجام یہ ہوگا کفن سرخ تیرا

مجھکو کہتا ہے وہ نکلا ہے شفق مین جو ہلال
یا نمودار ہے زخم کہن سرخ تیرا

دسترس پاؤن تلک اُس شوخ کی مجھکو ہے یہان
کیونکہ رتبہ نہ ہو اے گلبدن سرخ تیرا

ہے میری آہ یہان نخل گلستان خلیل
تخم گلنار وہان ہے چمن سرخ تیرا

شیشۂ بادۂ گلرنگ پٹک دے ساقی
جامہ سبز مین دیکھے جو تن سرخ تیرا

آستین سے یہ لگا کہنے وہ تلوار کو پونچھ
بن گیا آج یہ خون شکن سرخ تیرا

اشک نیلم ہی نہین رنگ مسی کی یہ نمود
لب ہی ہے غیرت لعل یمن سرخ تیرا

سچ بتا تو مجھے سوفار خدنگ قاتل
لہو مین کس کا پئے گا دہن سرخ تیرا

خاک یا ہم ہو شرارت سے ہم آغوش نصیر
صاف ہے شعلۂ آتش بدن سرخ ترا

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے یہ غزل لکھنؤ میں لکھی تھی اور شاید اُس معرکہ کی غزل ہے جسمیں مصحفی بھی موجود تھے مصحفی کی غزل بھی قابل ملاحظہ ہے چیدہ چیدہ اشعار لکھتا ہوں پورا سہ غزلہ لکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔

صاف خوبی سے عیاں ہے بدن سرخ ترا
اک تو تھا آتش سوزاں بدن سرخ ترا
واسطے ناکامی کے عاشق کو بڑی ہوتی ہے
ناگر خون شہیداں سے ہے گلبدن ہتا
خون سے آلودہ ہوا آستے تونے شاک بغیر
آتش تیز ہیں تیرے لب کمیں تن بھی سپید
پان کھانیکی ادا ہے سو اک عالم کو
کوئی خورشید شفق رنگ کو دیتا ہے فشار
سرخ عیار ہے تو کم نہیں اسے درزحنا
تو اگر نافۂ آہو ہے تو لے عقدہ زلف
اُسکے موباف سے بھی شانہ نے شب پوچھا تھا
پان کھا کر جو مسی زیب کئے تو نے دو لب

نہیں چھپتا تہ شبنم چمن سرخ تیرا
شعلہ پہ شعلہ ہوا پیرہن سرخ تیرا
قابل بوسہ ہوا جیب دہن سرخ تیرا
جب سے پاجامہ بنا گلبدن سرخ تیرا
نام ہم کیوں نہ رکھیں یاسمن سرخ تیرا
کہہ رہا ہے یہی خال توقن سرخ تیرا
خون رولاویگا میری جان ہن سرخ تیرا
پنجۂ رشک سے سیب ذقن سرخ تیرا
کف رنگین بنان ہے دہن سرخ تیرا
ہے دو رخسارۂ رنگین ختن سرخ تیرا
دام شبرنگ ہے کیوں لے رسن سرخ تیرا
بن گیا مرغ سنبل دہن سرخ تیرا

مصحفی زخم ہے تیشہ کا ترے سر ہو پہ
نام ہم کیوں نہ رکھیں کوہکن سرخ تیرا

دونوں صاحبوں کے اشعار موجود ہیں اہل لیاقت دونوں کی طبیعتوں کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ غرض اس رتبہ کا وہ شخص تھا جسکے شاگرد شیخ مرحوم میر بیقرار کے ساتھ جا کر ہوتے شیخ مرحوم کی طبیعت اگر خالص سونا تھی تو شاہ صاحب اُسکے حقمیں ایک کاریگر زرگر ہوئے شیخ مرحوم کی طبیعت اگر آئینہ تھی تو شاہ صاحب اُسکے حقمیں صیقل ثابت ہوئے۔ اگر شیخ کی طبیعت کو ایک منہ زور گھوڑے سے تشبیہ دیسکیں تو شاہ صاحب نے ایک تجربہ کار چابک سوار بنکر اُسکو سدھارا۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ شیخ مرحوم قدرت سے ایسی طبیعت لیکر پیدا ہوئے تھے۔ جو اصلاح کی محتاج نہ تھی تو مین کبھی نہین مانتا۔ جسقدر مبتدی زیادہ تیز و طباع ہوتا ہے اُسی قدر زیادہ تر اُستاد کا محتاج ہوتا ہے۔ بعینہ جیسے ہونہار بچھیرا جبتک اچھے چابک سوار کے گھوڑے تلے نہ نکلے جوہر نہین نکالتا۔ بلکہ بے ڈھنگا ہوجاتا ہے اسی طرح تیز اور نوجوان طبیعت زبردست اُستاد کے قلم اصلاح کی بہر صورت مین محتاج ہے۔ البتہ اگر کوئی مبتدی کُند ذہن یا طبیعت کا بھدا ہو۔ تو اُستاد کی محنت رائیگان جاتی ہے۔ مگر ذہین اور طباع کے لئے یہ لازم و ملزوم ہے۔

یہ سلسلۂ اصلاح تھوڑی مدت جاری رہا۔ مشاعروں مین غزلین پڑھی جاتین تھین اور قدر دانونکی قدر دانی بلند پروازیونکے پر لگاتی تھی۔ مگر تھوڑے عرصہ کے بعد یہ پلٹ گئے۔ اور اُستاد شاگردون مین بگڑ گئی۔ اس بگاڑ کی نسبت دو روائتین ہین مولوی محمد حسین آزاد تو یہ لکھتے ہین۔ کہ رشک جو تلامیذ الرحمن کے آئینونکا جوہر ہے اُستاد شاگردون کو چمکانے لگا۔ بعض موقع پر ایسا ہوا۔ کہ شاہصاحب نے اُنکی غزل کو دیکھکر بے اصلاح پھیر دیا۔ اور کہا کہ طبیعت پر زور ڈالکر کہو۔ کبھی کہدیا کہ یہ کچھ نہین پھر سوچ کر کہو بعض غزلون مین جو اصلاح دی تو بے ادائی پائی گئی۔ چنانچہ اس طرح کئی دفع غزلین پھیرین بہت سے شعر کٹ گئے۔ اور زیادہ تر قباحت یہ ہوئی کہ شاہصاحب کے صاحبزادے شاہ نجم الدین منیر جو براقی طبع مین اپنے والد کے خلف الرشید تھے اُنکی غزلون مین توارد سے یا خدا جانے کس اتفاق سے وہی مضمون پائے گئے۔ اسلئے انہین زیادہ رنج ہُوا۔

لیکن راقم جب محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی تقریب مین دلّی گیا تو ایک معتبر شخص نے مختلف روایت بیان کی۔ کہ لوگونکی واہ واہ نے شیخ مرحوم کے دلمین یہ خیال پیدا کر دیا کہ انکا کلام کسی کی اصلاح کا محتاج نہین اور اکثر جب غزل اصلاح کے لئے پیش کیا کرتے تھے تو کہا کرتے تھے استاد یہ غزل بڑی عرقریزی سے کہی ہے اگر کوئی شعر کٹگیا۔ تو کلیجہ نکل پڑیگا۔ یہ باتین شاہصاحب کو ناگوار گذرین ادہر انہین یارون نے چمکا دیا۔ رفتہ رفتہ طرفین کے دلون مین گرہ بیٹھ گئی۔ اسکے ساتھ غضب یہ ہوا کہ شاہ نجم الدین منیر اور شیخ مرحوم مین بمقتضائے سن تکرار ہو پڑا۔ منیر مرحوم کو یہ دعوے تھا کہ جس غزل پر ہم قلم اٹھائین اُس زمین مین کون قدم رکھ سکتا ہے۔ مشکل سے مشکل ادق سے ادق طرحین کہتے تھے اور کہتے تھے

ایکدن ہنگام بحث شیخ مرحوم نے کہا گھر کے کہے ہوئے شعر صحیح نہین آپ اُستاد سے کہوالاتے ہین - اگر مرد میدان ہو تو میدان مین آؤ - تاکہ جلسۂ عام مین فیصلہ ہو جائے -

پرانے فیشن کے بزرگوار جس قدر اُستاد کی عزت و ادب کرواتے ہین اُسی قدر اُستاد کے لڑکون کی بھی چنانچہ اُستاد کے لڑکے خلیفہ کے نام سے پکارے جاتے ہین اور ہمیشہ واجب التعظیم سمجھے جاتے ہین جب سے مغربی روشنی نے اپنا ظہور دکھایا ہے - یہ رواج منسوخ ہو گیا ہے - اس خیال سے شاہ نصیر کو اِنکا علانیہ منیر مرحوم سے جو اُنکے خلف الصدق تھے معرکہ آرائی کرنا سخت ناگوار گذرا - اور یہ بھی ایک ناچاقی کی وجہ ہوئی - غرض منیر مرحوم - اور شیخ علیہ الرحمتہ کے مقابلہ کے لیے ایکدن مقرر ہوا - بہت سے لوگ جمع ہوئے - طرفین کے طرفدار موجود تھے - جلسۂ عام مین مصرع طرح دیا گیا - اور دونون پہلوان طبع آزمائی کے اکھاڑہ مین خم ٹھونک آکھڑے ہوئے - اُس معرکہ کی منیر مرحوم کی غزل تلاش کی گئی نہین ملی شیخ مرحوم کی غزل کا مطلع تھا ؎

یہان کے آنے کا مقرر فاصلہ وہ دن کرے
جو تو مانگے گا وہی دونگا خدا وہ دن کرے

اگرچہ شیخ مرحوم کی تیغ زبان ایک تیغ جوہر دار تھی - مگر اسوقت پٹ پڑی وجہ اِس کی یہ تھی کہ منیر مرحوم کے بہت سے طرفدار موجود تھے - اور وہ خود بھی اُستادزادہ اور بارسوخ شاعر تھا - اور اِدھر ایک غریب سپاہی زادہ تھا جس کو نہ زمانہ کا تجربہ تھا نہ دوستون اور ہمدردون کی اعانت میسر تھی - غرض شاہ صاحب کا پلہ بھاری رہا - اور شیخ مرحوم کو سوائے رنج اور دلشکستگی کے اور کچھ میسر نہ ہوا - گو منیر مرحوم نے یہ میدان مار لیا - مگر یہ فتح اُن کو اپنی لیاقت سے حاصل نہین ہوئی - بلکہ اُستاد کی حمایت اور دوستون کی طرفداری سے ہوئی - پس اِس فتح پر کسی کو نازان نہ ہونا چاہئے -

جب نوبت یہان تک پہنچ گئی تھی - تو شیخ مرحوم کو چاہئے تھا کہ یک لخت کنارہ کر لیتے اور کوئی اور ذریعہ اصلاح کا مقرر کر لیتے [illegible] وہی عمل [illegible] مین رہنا اور پیچھے سے پھر [illegible] نکال سکے انھون نے

شاہ صاحب کے پاس آمد و رفت نہ چھوڑی۔ ایکدن انہون نے سودا کی غزل پر غزل کہی اور شاہ صاحب کے پاس لیگئے۔ انہون نے غزل اُٹھا کر پھینکدی اور کہا غزل لیجا۔ اب تو مرزا رفیع سے بھی اونچا اوڑنے لگا۔ "یہ مُنہ اور مسور کی دال" اب تجھے اُستادون کی غزل پر غزل کہنے کا حوصلہ ہو گیا۔ شیخ مرحوم نہایت شکستہ دل ہو کر چلے آئے۔ مرزا رفیع کی غزل یہ ہے۔

غزل

کیا جانے کس کی خاک ہے رکھے ہوش نقش پا
یون دہر قدم کہ تا نہ دبے دوش نقش پا

اعمال رفتگان کی مکافات کر نظر
حیران رہے ہے صورت خاموش نقش پا

کس کی سنین ہین خاک نشینان راہ عشق
گوش اپنے کر ہین اتنے کہ چون گوش نقش پا

وحشت ہے کبر اہل جہان سے یہ اب مجھے
اُفتادگی نہ ہووے فراموش نقش پا،

کثرت سے کوئے یار مین گرمی ہے یہ کہ وہان
پڑتا ہے پا مین آبلہ از جوش نقش پا

گذرے وہ کیونکہ تنگ سے میری کہ تا ابد
چھوڑے قدم کو اُس کے نہ آغوش نقش پا

اُفتادگان تک آنکے کیا لینگے راہزن
جز خاک کچھ نہین ہے درآغوش نقش پا

اے شوخ ہرزہ گردی نے تیری ہر ایک جا
خون جگر کیا ہے میرا نوش نقش پا۔

پابوس پر رقیب ہمیشہ سے ہے جی کہ وان
کب ہے قبول خاطر پاپوش نقش پا۔

سودا بقول حضرت بیدل بگوئے دوست
خط جبین ماست ہم آغوش نقش پا۔

یہ غزل سودا کی تھی جسپر ذوق نے غزل کہی اور شاہ صاحب کو ناگوار گذرا۔ ذوق کی غزل بھی سنئے۔

غزل

رکھتا ہے پر [illegible] نقش پا
ہو خاک عاشقان نہ ہم آغوش نقش پا

افتادگان کو بے سر و سامان نہ جانیو — داماں خاک ہوتا ہے روپوش نقش پا
اعجاز پا سے تیرے عجب کیا کہ راہ مین — بول اُٹھے منہ سے ہر لب خاموش نقش پا
اس رہگذر میں کس کو ہوئی فرصت مقام — بیٹھے ہے نقش پا بہ ہمہ دوش نقش پا
جسم نزار خاک نشینان کوے عشق — یون ہے زمین پہ جیسے تن و توش نقش پا
فیض برہنہ پائے مجنون سے دشت مین — سر تا بہ پا بنے ہے در گوش نقش پا

پابوس در کی گر نہ رکہی تو خاک بہی
پہنچے نہ ذوق اس کے بہ آغوش نقش پا

یہ سات شعر کی غزل تہی جسکو دیکھکر شاہ نصیر کا غصہ کا پارہ "بلڈ ہیٹ" تک پہنچ گیا انسان کی طبیعت ہر وقت اپنے قابو مین نہین ہوتی۔ شاید اُسوقت شاہ صاحب کسی رنج مین ہونگے یا اُنکو اس گستاخی کا ملال ہوگا جو شیخ مرحوم نے خلیفہ سے کی۔ یا شیخ مرحوم کی انانیت سے ناراض ہوگئے ہونگے یا آتش رشک اُسوقت مشتعل ہوگئی ہوگی بہرحال اسوقت قطع تعلق ہوگیا۔ اور پھر مرتے دم تک اُستاد شاگرد مین مصالحت نہ ہوئی۔

جب شاہ نصیر نے غزل بغیر اصلاح کے پھیر دی تو شیخ مرحوم نہایت دلگیر ہو کر جامع مسجد تک آ نکلے۔ آثار شریف مین فاتحہ پڑہی اور حوض پر آئے۔ وہان میر کلو حقیر بیٹھے تھے۔ اگرچہ میر صاحب قدیمانہ انداز کے بزرگوار تھے مگر نئے نئے باکمال شاعرون کو دیکھ پھڑکتے تھے۔ اور زمانہ کے سرد و گرم سے بخوبی واقف تھے۔ انہین مکدر دیکھکر پاس بٹھلا لیا۔ دست شفقت اُنکے سر پر پھیرا اور وجہ ملال دریافت کیا۔ شیخ مرحوم نے آنکھون مین آنسو ڈبڈبا کر تمام حال کہہ سنایا میر کلو کو انپر رحم آیا۔ اور کہا بہلا ہمکو تو وہ غزل سناؤ۔ شیخ مرحوم نے غزل سنائی انہون نے غزل سُنکر کہا جاؤ بے تامل غزل پڑھ دو۔ کوئی اعتراض کریگا۔ تو جواب ہمارا ذمہ۔ شیخ مرحوم کی خاطر جمع ہوئی۔ اور مشاعرہ مین غزل بے اصلاح پڑھ دی۔ وہان بہت تعریف ہوئی۔ چنانچہ یہ پہلی بلا اصلاح غزل تہی جو شیخ مرحوم نے مشاعرہ مین پڑہی۔ اسدن سے جرأت ہوگئی ذہن کھل گیا۔ اور بے اصلاح مشاعرہ مین غزل پڑھنے لگے رفتہ رفتہ انکی شہرت مُشک ختن کی طرح مہک اُٹھی۔ اور طبیعت کی شوخی اور اشعار کی گرمی نے سننے والون کے دلون مین برقی اثر کا کام کیا۔ کلام کا مقبول ہونا بہی داد الٰہی ہے تہوڑے ہی دنون مین اُنکے کلام کا شہرہ گھر گھر ہونے لگا۔ حتے کہ انکی غزلین

ارباب نشاط کی نہ باتون سے نکلکر کوچہ و بازار مین رنگ اوڑانے لگین۔
انہدنون اکبرشاہ بادشاہ تھے۔ انہین شعر و سخن کا مذاق نہ تھا۔ مگر مرزا ابوالظفر ولیعہد کہ بادشاہ ہوکر بہادرشاہ ہوئے شعر کے عاشق شیدا تھے۔ کلام الملوک ملوک الکلام کا مصداق انکا کلام تھا۔ ظفر تخلص سے ملک شعر کو تسخیر کیا تہا۔ چار دیوان کہکر ایوان شاعری کے چار ستون قایم کئے۔ چونکہ خود شاعر تھے شاعرون کے قدر دان بہی تھے۔ ہر وقت دربار شاہی کے کہنہ مشق شاعر انہین کے پاس گہرے رہتے تھے۔ شب کو بزم سخن گرم ہوتی تہی۔ طرحی اور غیر طرحی غزلون سے ہرایک شخص طبع آزمائی کرتا تھا۔ اور ولیعہد موصوف کو خوش کرتا تھا۔ یہ بہادرشاہ وہی بد قسمت شاہزادہ تھا۔ جس کے وقت مین ۵۷ء کا خوفناک ہنگامہ ہوا۔ اور جو حالت اسیری مین مفلوج ہوکر جان بحق تسلیم ہوا۔

شیخ مرحوم کو اشتیاق ہوا کہ کبہی نہ کسی طرح ولیعہد کے دربار تک رسائی ہوجائے تو قوت فکر کو خوب بلند پروازی ہو۔ مگر ان دنون مین بغیر کسی امیر کی حمایت کے قلعہ مین جانے کی اجازت نہ تھی۔ ایکدن ایک دوست نے انہین کہا کہ آپ چشم بد دور ہمہ صفت موصوف ہین کیون نہین کوشش کرکے ولیعہد کی صحبتون مین شامل ہوتے۔ شیخ مرحوم نے جواب مین یہ قطعہ پڑہا ؎

درِ میر و وزیر و سلطان را　　بے وسیلہ گرد پیرامن
سگ و دربان چو یافتند غریب　　این گریبان گرفت و آن دامن

اُس نے کہا میر کاظم حسین بیقرار آپ کے اُستاد بہائی ہین۔ اور ولیعہد کے ملازم خاص ہین۔ انہین کیون نہین کہتے۔ اگر وہ سلسلہ جنبانی کرین تو سب کام بہ آسانی طے ہوسکتے ہین۔ چنانچہ میر کاظم حسین کی مہربانی سے قلعہ تک رسائی ہوگئی اور ہمیشہ دربار ولیعہد مین جانے لگے۔

جب قسمت مین بہتری لکہی ہوتی ہے۔ تو سامان قدرت سے پیدا ہوجاتے ہین ؎

خدا کے دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال
کہ آگ لینے کو جائین پیغمبری ہوجائے

دکن مین دیوان چندو لعل کا دور تھا۔ دیوانصاحب اہل کمال کے قدردان اور سخاوت مین حاتم تھے۔ دلی والون پر خاص نظر پرورش رکھتے تھے اور بہت

مروت سے پیش آتے تھے اور دلی والوں کی خوش نصیبی سے شعر و سخن کے عاشق شیدا تھے۔ شاہ نصیر مرحوم کہ ولیعہد کی غزل کو اصلاح دیا کرتے تھے دکن چلے گئے۔ انکی جگہ میر کاظم حسین بیقرار ولیعہد کی غزل بنانے لگے۔ انہیں دنوں میں سر جان الفنسٹن سفیر کابل مقرر ہوئے۔ انکو ایک میر منشی کی ضرورت ہوئی جو علاوہ عربی فارسی کی پوری لیاقت کے امارت خاندانی کا جوہر بھی رکھتا ہو۔ ولیعہد نے میر کاظم حسین کی سفارش کی اور وہ بھی چلے گئے۔ میر بیقرار کے جانے سے مطلع صاف ہو گیا۔ اور شیخ مرحوم کو خوب بن آئی۔ یوں تو میر ثناء اللہ خان فراق میر غالب علیخان سید۔ عبدالرحمن خان احسان۔ برہان الدین خان زار۔ حکیم قدرت اللہ خان قاسم۔ میاں شکیبا۔ مرزا عظیم وغیرہ شعرائے عالی وقار موجود تھے مگر ازل سے یہ عزت شیخ مرحوم کی قسمت میں لکھی ہوئی تھی کہ بادشاہ دلی کے استاد کہلائیں۔

چند روز کے بعد ذوق جو ولیعہد کے ہاں گئے تو دیکھا کہ مشق تیراندازی کر رہے ہیں۔ انہیں دیکھ کر کہنے لگے واہ میاں ابراہیم واہ استاد تو دکن چلے گئے۔ میر بیقرار میر منشی ہو گئے۔ باقی تم ہمارے مطلب کے تھے تم نے بھی ہمیں چھوڑ دیا۔ شیخ مرحوم اس موقع کو غنیمت سمجھا اور کہا کہ بندہ جہاں ہو وہیں دعا کرتا ہے اور کریگا۔

ہمیں رہبر کی کچھ پروا نہیں صدقے تصور کے
کہ آنکھیں بند کیں اور جیتے جی بیٹھے کہیں پہنچے

مثل مشہور ہے کہ خوشامد ہر کہ را گفتی خوش آمد۔ شیخ مرحوم نے اس افسوں کو اچھی طرح استعمال کیا۔ چنانچہ ولیعہد نے جیب میں سے ایک غزل نکال کر دی اور کہا ذرا اسے اصلاح کر دو جاؤ۔ شیخ مرحوم وہیں بیٹھ گئے اور غزل بنا کر سنائی ولیعہد بہادر غزل سنکر بہت خوش ہوئے اور کہا بھئی کبھی کبھی ہماری غزل آ کر بنا جایا کرو۔ اُسدن سے ولیعہد بہادر نے اُن کا مبلغ ۴ روپیہ مشاہرہ مقرر کر دیا یہ مبلغ ۴ روپیہ نہ تھے یہ ملک الشعرائی کے ایوان کے چار ستون تھے۔

چار روپیہ مہینہ منظور کرنا اگرچہ شیخ مرحوم کے لیے ہتک عزت تھی مگر اُن دنوں ولیعہد بہادر کا بھی ہاتھ تنگ تھا۔ اکبر شاہ ممتاز محل کی خاطر سے شاہزادہ سلیم کو ولیعہد بنایا چاہتے تھے۔ اور کہتے تھے مرزا ابوالظفر ہمارے بیٹے ہی نہیں

مقدمہ اسکا گورنمنٹ مین دایر تھا۔ ولیعہد کو بچاسے پانچہزار کے فقط پانچسو روپیہ ماہوار ملتا تھا۔ کچھ تو اس خیال سے کہ فی الحال پاؤن رکھنے کو جگہ ہونی چاہئے کھڑا ہونے کو بعد ازان جگہ ہو جاینگی۔ یہ تنخواہ شکریہ کے ساتھ منظور کرلی۔ اور واقعی خوب کیا۔ شیخ محمد رمضان نے اکبر شاہ کے خوف سے جو اندنون مین ولیعہد کے سخت مخالف تھے۔ اکلوتے بیٹے کو اس نوکری سے روکا۔ مگر انہون نے والد بزرگوار کے کہنے کو بہی منظور نہ کیا۔ اور کہا جب پہلے انگریز جو آج ہندوستان کے مالک ہین۔ اس ملک مین آئے تھے۔ تو انکو سوداگرون کی حیثیت مین صرف تہوڑی سی زمین کوٹھی کے لئے درکار تہی۔ تہوڑی سی زمین لیکر تمام ہندوستان کے بادشاہ ہو گئے۔ تہوڑی ہی سے بہت ہی ہو جاویگی۔ یہ سنکر انکے والد نے کچھ زیادہ زور نہ دیا۔ چنانچہ شیخ مرحوم ولیعہد کے استاد ہو گئے۔

کئی سال کے بعد شاہ نصیر دکن سے پہرے اور دلّی مین آکر اپنا معمولی شغل جاری کردیا۔ شاہصاحب نے دیکھا کہ یہان کا نقشہ ہی بدل گیا۔

مصرعہ۔ شد آن مرغ کو خایہ زرین نہاد۔ مرزا ابوالظفر اب ذوق کے شاگرد ہو چکے تھے۔ شیخ مرحوم نے انکو خوب ہاتہون پر ڈال لیا تھا۔ اب وہ شاہصاحب کو کیا خیال مین لاتے تھے۔ چنانچہ جب شاہصاحب دکن سے واپس پھرے تو مرزا ابوالظفر نے پھر انکو منہ نہ لگایا۔ یہ بات بہی شاہصاحب کو سخت گران گذری۔ ایکدن مشاعرہ مین شیخ مرحوم نے غزل پڑہی جسکا مطلع تھا۔

جس ہاتھ مین خاتم لعل کی ہے گر اسمین زلف سرکش ہو
پھر زلف بنے وہ دست موسیٰ جسمین اخگر آتش ہو

مگر خدا جانے بسبب بیخبری کے یا سہواً شیخ مرحوم نے مطلع یون پڑہا۔

ہاتھ مین خاتم لعل کی ہے گر اسمین زلف سرکش ہو
پھر زلف بنے وہ دست موسیٰ جسمین اخگر آتش ہو

شاہصاحب فوراً بولے بہئی میان ابراہیم مطلع تو خوب کہا۔ شیخ مرحوم بہی بڑے رمز شناس تھے فوراً تاڑ گئے۔ کہ کچھ سقم ہے۔ ساتھ ہی لفظ بہی سوجہا اور دوبارہ مطلع (جس) لگاکر پڑھ دیا۔ گویا عمداً یہ لفظ چھوڑ دیا تہا۔ پہر شاہصاحب کے شاگردون مین سے ایک نے اعتراض کیا کہ یہ بحر نا جائز ہے۔ شیخ مرحوم نے کہا۔

ناجایز کیون ہے۔ معترض نے کہا اسوجہ سے کہ کسی نے اس بحر مین غزل نہین کہی۔ شیخ مرحوم نے جواب دیا انیس ۱۹ بحرین آسمان سے نہین اترین طبایع موزون نے وقتاً فوقتاً کل کہلائے ہین۔ یہ تقریر مقبول نہ ہوئی۔ مگر شیخ مرحوم کے حق بجانب ہونے مین کوئی کلام نہین۔ زمانہ ہمیشہ ایجاد واختراع کا مشتاق ہے۔ اور نئی بات کا پیدا کرنا تندرست عقل کا قدرتی میلان ہے۔ اگر شیخ مرحوم نے نیا بحر ایجاد کیا تو کیا گناہ کیا۔ اگر ابتدا سے لوگ ایک ہی بات پر قناعت کرتے تو ترقی کی راہ ہمیشہ کے لئے مسدود ہو جاتی۔

اسدن سے شیخ مرحوم نے سیر کتب کا شغل اختیار کیا۔ حسن اتفاق سے راجہ صاحب رام نے جو ایلاک شاہ اودھ کے مختار تھے اپنے بیٹے کو کتب علمی کی تحصیل تمام کرانے کے لئے مولوی عبد الرزاق کو مقرر کیا۔ اور مہربانی فرما کر ذوق مرحوم کو بھی اجازت دی کہ درس مین شریک رہین۔ چنانچہ اس طرح تحصیل علوم کا قدرتی سامان شیخ مرحوم کو مہیا ہو گیا۔

ایکدن مشاعرہ مین شیخ مرحوم نے غزل پڑہی۔ مطلع یہ تہا۔

نرگس کے پہول بہیجے ہین بٹوے مین ڈالکر
ایما یہ ہے کہ بہیجدے آنکہین نکال کر۔

شاہصاحب نے مسکرا کر کہا میان ابراہیم پہول بٹوے مین آپکے ہان رکھے جلتے ہونگے۔ یہ کہو ؎

نرگس کے بہیجے ہین دونے مین ڈال کر
ایما یہ ہے کہ بہیجدے آنکہین نکال کر

انہون نے کہا کہ دونے مین رکھنا ہوتا ہے ڈالنا نہین ہوتا۔ یون کہئے۔

بادام دو بہیجے ہین بٹوے مین ڈال کر
ایما یہ ہے کہ بہیجدے آنکہین نکالکر۔

ایکدفعہ بڑی دہوم دہام سے مشاعرہ ہوا۔ شاہصاحب نے مفصلہ ذیل طرحی غزل پڑہی۔ اسکا مطلع نہین ملتا۔

غزل

اے رشک رواں ساتھ نہ آج جگر بھی	تا شق کہین سینہ و علم اٹھ نہین سکتا

سقف فلک کہنہ مین کیا خاک لگاؤن
اے ضعف دل اس آہ کا تھم نہین سکتا

ہر معرکۂ عشق مین آسان نہین جینا
گاڑے ہین جہان شمع قدم اٹھ نہین سکتا

ہے جنبش مژگان کا کسی کی جو تصور
دل سے خلش خار الم اٹھ نہین سکتا

دل پر ہے مرے خیمۂ بر آبلۂ استاد
کیا کیجئے یہ لشکر غم اٹھ نہین سکتا

ہر جا متجلی ہے وہی پردۂ غفلت
اے معتکف دیر و حرم اٹھ نہین سکتا

یون اشک زمین پر ہین کہ منزل کو پہنچکر
جون قافلۂ ملک عدم اٹھ نہین سکتا

اس کے بعد شیخ مرحوم کے سامنے شمع آئی۔ تو اُنہون نے یہ غزل پڑھی۔

غزل

لکھے ہے اُسے خط مین کہ ستم اٹھ نہین سکتا
پر ضعف سے ہاتھون مین قلم اٹھ نہین سکتا

بیٹھا ہے ترا صورت تصویر نہالی
کیا اٹھئے سر ابر کرم اٹھ نہین سکتا

آتی ہے صدا سے جرس ناقۂ لیلی
پر حیف کہ مجنون کا قدم اٹھ نہین سکتا

چون دانۂ روئیدہ تہ خاک ہمارا
سر زیر گرانبار الم اٹھ نہین سکتا

ہر داغ معاصی مرا اس دامن تر سے
چون حرف سر کاغذ نم اٹھ نہین سکتا

اتنا ہون تری تیغ کا شرمندۂ احسان
سر میرا ترے سر کی قسم اٹھ نہین سکتا

پردہ در کعبہ سے اٹھانا تو ہے آسان
پر پردۂ رخسار صنم اٹھ نہین سکتا

کیون اتنا گران بار ہے جو رخت سفر بھی
اے راہ رو ملک عدم اٹھ نہین سکتا

دنیا کا زر و مال کیا جمع تو کیا ذوق
کچھ فایدہ بے دست کرم اٹھ نہین سکتا

دونون غزلین جوہریان سفرۂ بازار معانی و صرافان دار العیار نکتہ دانی کے روبرو پیش کی گئی ہین۔ اب انداز کرنا انکا کام ہے کہ کس کو کس پر ترجیح ہے۔

شاہ صاحب نے دکن مین کسی کی فرمائش سے ۹ شعر کی غزل کہی تھی جس کی

ردیف تھی آتش و آب و خاک و باد۔ وہ غزل مشاعرہ مین سنائی اور کہا اس طرح پر جو غزل کہے اسکو مین اُستاد مانتا ہون یہ چشمک شیخ مرحوم پر تھی جو ولیعہد کے اُستاد تھے۔ دوسرے مشاعرہ مین اُنہون نے اسپر غزل کہی اور چونکہ جشن قریب تھا شیخ مرحوم نے بادشاہ کی تعریف مین ایک قصیدہ بھی اسی طرح مین لکھا لیکن بنظر حفظ ماتقدم ولیعہد بہادر نے اپنے شقہ کے ساتھ مولوی شاہ عبد العزیز کے پاس بھیجا۔ انہون نے پڑھنے کی اجازت دی اور جواب مین یہ شعر لکھا ؎

بود بگفتۂ من حرف اعتراض چنان
کسے بدیدہ بینا فرو برد انگشت

شیخ مرحوم کا دل قوی ہوگیا۔ اور دربار شاہی مین جاکر قصیدہ سُنایا اسکے بڑے بڑے چرچے ہوئے۔ شاہ صاحب کے فریق نے اسپر اعتراض لکھے۔ شیخ مرحوم قصیدہ مشاعرہ مین لیگئے تا کہ مجمع عام مین فیصلہ ہو جائے۔ شاہ نصیر نے ایک مستعد طالبعلم کو کہ کتب تحصیل اُسے خوب روان تھین جلسہ مین پیش کیا۔ اور کہا کہ انہون نے اسپر کچھ اعتراض لکھے ہین سکتے ہین کہ شیخ علیہ الرحمۃ نے عرض کی کہ قبلہ آپ میرے اُستاد ہین۔ مین اپنے تئین اس قابل نہین سمجھتا کہ آپ کے اعتراضون کے لیئے قابل خطاب ہون۔ انہون نے نہایت بے اعتنائی کے ساتھ جواب دیا کہ مجھے کچھ تعلق نہین انہون نے کچھ لکھا ہے۔ شیخ مرحوم نے کہا خیر بہر اسی وقت تک ہے کہ فاصلہ دوری درمیان ہو۔ جب آمنے سامنے موجود ہین تو تقریر ہونی چاہیئے۔ اسکے راوی مولوی آزاد ذوق کے شاگرد ہین۔ قصہ مختصر وہ طالبعلم شیخ مرحوم کے مقابل آبیٹھا۔ قصیدہ کا مطلع تھا۔

کوہ اور آندھی مین ہون گر آتش و آب و خاک و باد
آج نہ چل سکینگے پر آتش و آب و خاک و باد

معترض نے اعتراض کیا کہ سنگ مین آتش چلنے کا ثبوت چاہیئے۔ اُنہون نے کہا۔ کہ جب پہاڑ متحرک ہوگا تو آگ جو اسمین ہے اُسکے ساتھ متحرک ہوگی۔ معترض نے کہا سنگ مین آتش کا ثبوت چاہیئے۔ اُنہون نے کہا مشاہدہ معترض نے کہا سنگ مین آتش کا ثبوت چاہیئے مگر کتابی سند درکار ہے۔ انہون نے کہا تاریخ سے ثابت ہے کہ ہوشنگ کے وقت مین آگ نکلی۔ معترض نے کہا سند

شعر مین مطلوب ہے - شیخ مرحوم نے شعر محسن تاثیر کا پڑہا ے

پیش از ظہور جلوۂ جانانہ سوختیم
آتش بسنگ بود کہ ما خانہ سوختیم

معترض نے کہا اردو زبان مین سند دو شیخ مرحوم نے سودا کا شعر پڑہا ے

ہر سنگ مین شرار ہے تیرے ظہور کا
موسیٰ نہین کہ سیر کرون کوہ طور کا

میرے خیال مین یہ تمام بحث فضول تھی لفظ "گر" معترض کے اعتراض کا کافی جواب تھا - شیخ مرحوم نے یہ قضیۂ قایم نہین کیا تہا - کہ سنگ مین آگ ہے - اُنہون نے بیان شرطیہ کیا تھا کہ اگر سنگ مین آگ ہو تو ایسا ہوگا - پھر ایک شعر پر اعتراض ہوا کہ اسمین ثبوت روانی مفقود ہے - شیخ نے کہا یہان تغلیب ہے اسوقت خود شاہ صاحب بول اُٹھے کہ یہ تغلیب کہین نہین آئی - انہون نے کہا اسکا قاعدہ عام ہے - انہون نے کہا کسی اُستاد کے کلام مین ثابت کرو شیخ نے کہا آپ نے اشعر کی غزل پڑہکر فرمایا تھا کہ اس طرح مین کوئی غزل کہے تو ہم اُستاد جانین مین نے تو ایک غزل اور تین قصیدہ لکھے اب بھی استاد نہ ہوا -

جب نوبت یہان تک پہنچی تو چند معززین نے جو وہان موجود تھے یہ مناسب سمجہا کہ جلسہ برخاست کیا جاوے - تاکہ کہین فساد نہ ہو جاوے -

پھر شیخ مرحوم نے ایک قصیدہ اکبر شاہ کے دربار مین کہہ سنایا جسکے مختلف شعرون مین انواع واقسام کے صنایع و بدایع صرف کئے تھے - مطلع تھا ے

جبکہ سرطان و اسد مہر کا ٹہرا مسکن
آب وا یلولہ ہوئے نشوونمائے گلشن -

اِس قصیدہ کے عوض مین بادشاہ نے خاقانی ہند خطاب عطا کیا -

منشی فیض پارسا دہلی کالج مین مدرس حساب تھے - اُن دنون جوانی کے عالم مین شاعری کے جوش وخروش مین بھی چور تھے - انہون نے مدرسہ مین بڑی دہوم دہام سے مشاعرہ قایم کیا اور اُسے اشاعت اردو کی ترقی کا

جسٹر واعظم ٹیلر اکر صاحب پرنسپل سے مدد لی - انہوں نے شہر کے دروازہ ۸ بجے بند ہو جاتے تھے گدھ کپتان سے اجازت خاص حاصل کی کہ مشاعرہ کے دن ۲ بجے تک اجمیری دروازہ جہاں مدرسہ واقع تھا کھلا رہا کرے - غرض مشاعرہ اس شان و شوکت سے قایم ہوا - کہ پھر ایسا کوئی مشاعرہ دلی میں نہیں ہوا - شہر بھر کے رؤساء اور نامی شعراء تشریف لایا کرتے تھے شاہصاحب اور شیخصاحب کی آپسمیں برابر چلی چلتی تھی - چنانچہ ایک مشاعرہ میں شاہصاحب نے غزل پڑھی قفس کی تیلیاں خس کی تیلیاں وغیرہ - دوسرے مشاعرہ میں یہ ہی طرح ہوگئی - شیخ مرحوم نے دو غزلہ لکھا اسپر کچھ اعتراض ہوئے اسپر شیخ مرحوم کو جوش آگیا - اور کہا کہ انشاءاللہ برس دن تک علاوہ طرحی غزل کے ایک غزل اس زمین میں پڑھا کرونگا - جب تیسرے مشاعرہ میں اس زمین میں شیخصاحب نے غزل کہی تو شاہصاحب کی طرف سے خوب چوٹیں ہوئیں اور منیر مرحوم نے یہ شعر پڑھا ؎

گرچہ قندیل سخن کو منڈھ لیا تو کیا ہوا
ڈالیچ میں تو ہیں وہی اگلے برس کی تیلیاں

اسپر تکرار زیادہ ہوگئے اور مشاعرہ بند کر دیا گیا -

جب ابو ظفر بادشاہ ہوکر بہادر شاہ ہوئے - تو ابتدا میں شیخصاحب کی قدر انکے کمال کے موافق نہ ہوئی - انکی تنخواہ میں صرف اسقدر ترقی ہوئی کہ بجائے مبلغ للعہ روپیہ کے ۱۰۰ روپیہ ماہوار ہوگئے - جب شیخصاحب نے دیکھا کہ یوں امیدوں کا خون ہوگیا تو یہ شعر پڑھکر خاموش ہو رہے ؎

یوں پھرتے ہیں اہل کمال آشفتہ حال افسوس ہے
اے کمال افسوس ہے تجھپر کمال افسوس ہے

مگر اسمیں بہادر شاہ کا کچھ قصور نہیں یہ ساری چالاکی مرزا مغل بیگ کی تھی - ایکدن ایک دوست شیخ مرحوم سے ملنے آئے اور کہنے لگے افسوس ہے حضرت ذوق - بادشاہ نے انصاف نہ کیا - ادنے ادنے اشخص مالامال ہوگئے اور آپ کا صرف ۱۰۰ روپیہ مہینہ مقرر ہوا - شیخ مرحوم مسکرائے اور یہ شعر حافظ کا جواب میں سنایا ؎

اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالان | طوق زرین ہمہ در گردن خرمے بینم

مگر چند دن مین ہی مرزا مغل بیگ کی ترقی تمام ہوگئی۔ تمام کنبہ قلعہ سے نکالا گیا
اور نواب حامد علی خان وزیر ہوئے ۔ پھر تو استاد شاہی کا سو روپیہ مہینہ مقرر
ہوا علاوہ اس تنخواہ کے ہمیشہ عید اور نوروز کے جشنون مین قصیدہ و مبارکباد
کے پڑہتے تھے ۔ اور خلعت سے اعزاز حاصل کرتے تھے ۔
ایکدفعہ بادشاہ سخت بیمار ہوگئے ۔ اور جب شفا پائی تو شیخ مرحوم نے ایک
قصیدہ کہکر نذر گذرانا ۔ بادشاہ نے علاوہ خلعت کے ایک ہاتھی انعام
مین دیا ۔ اور خطاب خاقانی ہند بخشا ۔ قصیدہ واقعی اپنا نظیر آپ ہے جسکا
ہر ایک شعر رنگین اور برجستہ ہے ۔ مطلع یہ ہے ۔

زہے نشاط کہ گر کیجیے اُسے تحریر
عیان ہو خامہ سے تحریر نغمہ جاے صریر

اسی قصیدہ مین ایک شعر ہے جسکو سنکر بے اختیار سبحان اللہ کہنا پڑتا ہے
وہ شعر یہ ہے ؎

ہوا پہ دوڑتا ہے اس طرح سے ابر سیاہ
کہ جیسے جاے کوئی فیل مست بے زنجیر

پھر آگے فرماتے ہین ۔

ہوا ہے مدرسہ بہی درسگاہ عیش و نشاط
کہ شمس بازغہ کی جا پڑہین ہین بدر منیر
اگر پیالہ ہے صغرا تو ہے سبو کبرا
نتیجہ یہ ہے کہ سرمست ہین صغیر و کبیر

واہ منطق کی اصطلاحون کو کس کس خوش اسلوبی سے نباہا ہے ۔ بادشاہ نے
غسل صحت کے جشن کے متعلق دربار زینت محل کے مکان مین کیا تہا اور
وہین یہ قصیدہ سُنا تہا ۔
چونکہ شیخ مرحوم دن رات اسی شغل مین مصروف رہتے تھے انکی مشق نے
انہین پرلے درجہ کا حاضر جواب اور بدیہہ گو بنا دیا تھا ۔
روایت ہے کہ برسات کا موسم تہا ۔ مرزا فخرو بادشاہ کے صاحبزادے
چاندنی رات مین تالاب کے کنارہ کھڑے ہوئے تھے انکی زبان سے
یہ مصرعہ نکلا ۔ ؎ چاندنی دیکھے اگر وہ مہ جبین تالاب پر ∴

انہیں کہا اُستاد اِسپر مصرعہ لگائیے گا۔ انہوں نے فوراً کہا ؎

چاندنی دیکھے اگر وہ مہ جبین تالاب پر
تاب عکسِ رُخ سے پانی پھیر دے مہتاب پر

ایکدن نواب حامد علیخان نے آتش کا مطلع پڑھا ؎

جانور جو تیرے صدقہ مین رہا ہوتا ہے
اے شہِ حُسن وہ چھٹتے ہی ہما ہوتا ہے

شیخ مرحوم بول اُٹھے صدقہ مین زیادہ کوّا چھوڑواتے ہین اِسلئے زیادہ تر مناسب ہے کہ یون کہا جاوے ؎

زاغ بھی گر تیرے صدقہ مین رہا ہوتا ہے
اے شہِ حُسن وہ چھٹتے ہی ہما ہوتا ہے

راقم نے ایکدفعہ ایک نعتیہ غزل کہی تھی۔ اُسمین بھی یہ مضمون توارد ہو گیا ہے وہ شعر یہ ہے ؎

مین سایہ نشین صاحب لولاک لما ہون
کوّا ہے کہ صدقہ مین رہا ہو تو ہما ہو

اِسی نعت مین ایک اور شعر ہے جو بسبب نئے مضمون کے قابل اندراج ہے ؎

اللہ کرے بندہ بھی ہو پابند ثنائے شیخ
یہ طائرِ جان مرغِ حرم ہو تو مزا ہو

ایک دفعہ قلعہ شاہی مین مشاعرہ تھا۔ حکیم آغا جان عیش نے ایک شعر اپنی غزل مین پڑھا ؎

اے شمع صبح ہوتی ہے روتی ہے کسلیے
تھوڑی سی رہگئی ہے اِسے بھی گذار دے

شیخ مرحوم نے فوراً اِس مضمون کو اِس پیرایہ مین بیان کیا ؎

اے شمع تیری عمر طبعی ہے ایک رات
رو کر گذار یا اِسے ہنسکر گذار دے

مگر حکیم آغا جان عیش کے شعر مین نزاکت زیادہ ہے۔ میری رائے مین اُسی کو ترجیح ہے۔

ایک شخص نے آکر کہا کہ میرے دوست کا نام غلام علی ہے اور باپ
کا نام غلام محمد ہے۔ براہ مہربانی کوئی ایسا سجع کہدیں کہ جسمیں دونوں نام آجائیں
آپ نے فوراً ایک پرزہ کاغذ پر لکھدیا۔ ع

پدر غلام محمدؐ پسر غلام علیؑ

ایک معمولی دربار تھا ایک مرشدزادہ فوراً آگئے اور فوراً چلے گئے۔
کسی نے عرض کی۔ صاحب عالم اسقدر جلدی۔ صاحب عالم کی زبان سے نکلا

اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

شیخ مرحوم نے فوراً کہا ؎

لائی حیات آئے قضا لیچلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

میر محمد خان اعظم الدولہ نے جنکا تخلص سرور تھا ایک تذکرہ شعرائے اردو
کا لکھا۔ اتفاقاً شیخ مرحوم انکے مکان پر جا نکلے۔ انہوں نے تاریخ کی فرمایش کی
انکے منہ سے فوراً نکلا اور یادگار اعظم۔ حساب کیا تو عدد برابر نکلے۔
شاہ نصیر کے ہاں سال بسال عرس ہوا کرتا تھا۔ اسمیں فاتحہ کے بعد کھچڑی
کھلایا کرتے تھے۔ حسب معمول ذوق بھی گئے۔ فاتحہ کے بعد کھانا کھلانے
بیٹھے تو شاہصاحب ایک ہاتھ میں چمچہ اور دوسرے ہاتھ میں بادیہ لیے ہوئے آئے
اسمیں وہی کھانا کہ خاص خاص اشخاص کے سامنے ڈالتے آتے تھے انکے
سامنے آکھڑے ہوئے اور چمچہ بھرا۔ انہیں ریزش کے باعث پرہیز تھا پوچھا کہ
یہ کیا ہے؟ شاہصاحب نے کہا سنکھیا ہے سنکھیا۔ دیکھو کھاؤگے تو مرجاؤگے
شیخ مرحوم نے ہنس دیا اور کہا۔ ع

بھلا تم زہر دو دیکھو اثر ہو جسے تو میں جانوں

اگرچہ یہ مصرعہ قدیمی میاں مجنون کا ہے۔ مگر حاضر جوابی کے لحاظ سے
سب کو لطف آیا۔
مولوی محمد حسین آزاد کے والد بزرگوار نے بہ نیت وقف امامباڑہ تعمیر کیا
شیخ مرحوم سے تاریخ کی فرمایش کی انہوں نے فوراً کہا۔ تعزیت گاہ امام ارین
سب کو حیرت ہوئی۔
حکیم میر فیض علی خلی سرانکے اُستاد بھی تھے۔ اور شیخ مرحوم انہی کا علاج کیا

کرتے تھے - ایک دن مولوی آزاد موجود تھے کہ ذوق نے تلاوت ذیل کی تاریخ میر صاحب کا انتقال ہوا - شیخ مرحوم کو بہت قلق اور اضطراب ہوا - کہ انکھکر پڑھنے لگے - پھر تھوڑی سی دیر تامل کرکے دفعتہً بولے "ہائے میر غیبت علی" مولوی آزاد نے حساب کیا تو تاریخ کے عدد برابر تھے -

جیسی مرزا مغل بیگ کی وزارت کے زمانہ میں شیخ مرحوم کی بیقدری تھی ویسی ہی بعد ازان قدر ہوگئی - رفتہ رفتہ بادشاہ نے انہیں دلی راز دولت کے لئے مخزن اعتبار بنالیا اور دنیاوی دولت سے بھی مالامال کردیا - جب شیخ مرحوم نے یہ قصیدہ کہکر جسکا مطلع ہے ؎

شب کو میں اپنے سر بستر خواب راحت
نشۂ علم میں سرمست غرور نخوت

پیش کیا تو ایک گاؤن جاگیر میں عطا ہوا -

شیخ صاحب کے بہت سے شاگرد ہوئے ہیں - کئی آپ بھی زندہ ہیں جو انکی شاگردی کا فخر کرتے ہیں - انکے شاگردوں کی پوری فہرست لکھنی فضول سمجھتا ہوں - اسلئے چند مشہور ناموں پر ہی اکتفا کرتا ہوں -

۱ - مرزا ابو الظفر بادشاہ دہلی ہوکر بہادر شاہ ہوئے - شعر کے عاشق شیدا تھے - اور چار دیوانوں کے مالک تھے - انکے دیوانوں میں ہر رنگ کے اشعار موجود ہیں - جب انکے کلیات کو کھولو تو مضامین عاشقانہ اور تصوف دونوں نظر پڑتے ہیں اور رنگارنگ کے زمزمہ اور بوقلموں آوازیں آتی ہیں - انکے تخیل کو جب اٹھاؤ - تو پھر چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا - اور گھنٹوں مطالعہ کرو پر دل نہیں اکتاتا -

افسوس ہے مرزا ابو الظفر کا انجام بخیر نہ ہوا - جس ذلت اور رسوائی سے انہیں دلی چھوڑنی پڑی خدا وہ ذلت دشمن کو بھی نصیب نہ کرے ؎

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن
بہت بے آبرو ہوکر ترے کوچے سے ہم نکلے

چنانچہ انہوں نے خود حالت قلق و اضطراب میں جو غزل کہی اس کو پڑھکر بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے ہیں - اس غزل کا مطلع ہے ؎

گئی یک بیک جو ہوا پلٹ نہیں دل کو میرے قرار ہے
کروں غم ستم کا میں کیا بیاں میرا سینہ غم سے فگار ہے

روایت ہے کہ جب دلّی فتح ہوگئی۔ اور انگریزی فوج باغیوں کا قلع وقمع کرتی ہوئی شہر میں داخل ہوگئی۔ تو کسی نے دوڑ کر کہا کہ بادشاہ سلامت کس خواب خرگوش میں مبتلا ہو۔ سپاہی دروازہ پر آگئے۔ کچھ جان بچانے کی فکر بھی کرو۔ مگر بادشاہ سلامت بھی بہادر شاہ تھے۔ اپنی جگہ سے حرکت تک نہ کی۔ حتیٰ کہ گرفتار ہوئے۔ کسی نے پوچھا کہ آپ بھاگ کیوں نہ گئے۔ تو نہایت متانت سے جواب دیا۔ بھاگتا کیسے جوتی پہنانے والا ملازم موجود نہ تھا۔ آپکی صلاح تھی کہ خود اٹھ جوتی کو لگاتا۔ جان جاتی تو جائے وضع میں فرق نہ آتے۔ مال صدقہ جان ہے اور جان آبرو پر قربان ہے۔ پھر حالت قید میں اسی شخص نے پوچھا آپ کیا حال ہے۔ تو حالت یاس میں اس کی طرف دیکھا۔ اور کچھ جواب نہ دیا۔ مگر نگاہ زبان حال سے یہ شعر پڑھ رہی تھی ؎

دستگیری کر رہی ہے ہتھکڑی
پاؤں میرے میں پڑی زنجیر ہے۔

آخر کار قید ہوکر رنگون بھیجے گئے۔ اور مفلوج ہوکر جان بحق تسلیم ہوئے۔

۲۔ شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد۔ یہ صاحب کمال وہ شخص ہے کہ اگر شیخ مرحوم زندہ ہوتے تو واقعی فخر کرتے۔ اور نازاں ہوتے کہ اُنکے شاگردوں کی فہرست میں ایسے لائق اور فاضل شخص کا نام موجود ہے۔ انکی تصنیفات سے پنجاب اور ہندوستان میں بچہ بچہ واقف ہے۔ آپ ابتدا میں پروفیسر عربی و فارسی گورنمنٹ کالج میں تھے۔ اب پنشنی ہیں۔ انہوں نے سرکار دولت مدار کی بہت سی عمدہ عمدہ خدمات کی ہیں۔ چنانچہ پنڈت منپھول۔ سی۔ ایس۔ آئی کے ہمراہ ایران میں سفارت کے ساتھ گئے تھے۔ انکے مخالف اعتراض کرتے تھے کہ مولوی صاحب کو عربی کی اچھی استعداد نہیں۔ مگر راقم نے گورنمنٹ کالج میں اُن سے پڑھا ہے۔ اور کبھی کسی قسم کی رکاوٹ یا دقت پیش نہیں آئی۔

میری رائے میں نثر اردو جیسے وہ لکھتے ہیں۔ ہندوستان بھر میں

کوئی نہین لکھتا - اُنکے لئے ظہورِ شمس ہند - کا خطاب بجائے شمس العلمائے کے بہت موزون تھا - آپکی مشہور تصنیفات مفصلہ ذیل ہین -

آبحیات - یہ مشاہیر شعرائے اردو کی سوانح عمری ہے - اور اسمین زبان اردو کی عہد بعہد کی ترقیون اور اصلاحون کا بیان ہے - یہ کتاب کئی بار چھپ چکی ہے - اور بہت مقبول ہوئی ہے - سُنا ہے کہ دکن مین کسی نے اسکا جواب لکھا ہے - شاید کسی شاعر کا ذکر مولویصاحب نے نہ کیا ہوگا - جسکے باعث اُس نے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے ہونگے -

نیرنگ خیال - یہ اردو انشا کی اعلٰے درجہ کی کتاب ہے - اسمین اعلٰے اعلٰے مضامین پر بحث کی ہے - اور بقائے دوام کا دربار تو قابل پڑھنے کے ہے -

قصص ہند حصّہ دوم - اسمین صرف مسلمانون کا زمانہ ہے واقعی اسکی عبارت پر فصاحت و بلاغت قربان ہوتی ہیں *

جامع القواعد - یہ ایک اردو قواعد کی کتاب ہے -

فارسی کی پہلی } ان کتابون سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف فارسی زبان
ایضاً دوسری } پر ایسا قادر ہے کہ گویا خاص ایران کا رہنے والا ہے

اب مولوی صاحب کا ارادہ تھا کہ دربار اکبری (جو لکھ چکے تھے) چھپوا دیا جاوے - مگر دل کی دل ہی مین رہی - حادثات زمانہ سے کوئی دماغی مرض لاحق ہو گیا ہے - جس سے لکھنے پڑھنے کے کام کے نہین ہے - خدا انہین صحت بخشے انکا دم غنیمت ہے -

بعض لوگ کہتے ہین - کہ مولوی آزاد - نثر کے میدان مین تو شہسوار ہین - مگر انکی نظم اعلٰے درجہ کی نہین - اس بات سے مجھے اتفاق نہین - انکی چند مثنویان اور مسدس میری نگاہون سے گذرے ہین - انمین اعلٰے درجہ کی بلند پروازی جیسی الفاظ اور بندش محاورہ موجود ہے - انکی نظم "شب قدر" نامی محبت" مین جو انہون نے "وطن" کا ویر" کے خیالات ادل بدل کر لکھی ہے اور دوسری نظم "بڑے چلو" دونون بے نظیر ہین -

۳ - نواب الٰہی بخش خان معروف - ایک عالی خاندان امیر اور علوم ضروری سے باخبر تھے - شاعری مین آپ نے فنا فی الشعر کا مرتبہ حاصل کیا - انکے بزرگ سلاطین چغتائیہ کے آخر عہد مین مین دلّی مین آکر امرائے نامی مین

داخل ہوے - یہ تینوں بھائی تھے - نواب نبی بخش خان - نواب الہی بخش خان - اور نواب احمد بخش خان - نواب احمد بخش خان بہادر کے پوتے نواب سر علاؤالدین خان کے - سی - ایس - آئی - نواب لوہارو تھے - جنکے دوسرے صاحبزادہ مرزا نصیر الدین امرتسر مین کچھ عرصہ اسسٹنٹ کمشنر بھی رہے - نواب الہی بخش خان معروف کا دیوان المشہور بہ دیوان معروف - اب تک رائج ہے - شیخ مرحوم کا قول ہے - کہ نواب معروف - کی غزل بناتین ہم خود بنگئے -

تسبیح زمرد - جو ۱۰۱ اشعار کا سلسلہ ردیف وار ہے اور کوئی مطلع سبزی کے مضمون سے خالی نہین نواب صاحب مغفور کا ہی کہا ہوا ہے - مولوی آزاد بیان کرتے ہین - کہ ایکدن شیخ مرحوم اپنے گھر کے قریب ایک مسجد مین بیٹھ کر وظیفہ پڑھ رہے تھے - کہ سامنے سے ایک چوبدار آیا - اور کچھ چیز رومال مین لپٹی ہوئی شیخ مرحوم کے سامنے رکھ کر الگ بیٹھ گیا - شیخ مرحوم نے وظیفہ سے فارغ ہوکر اُسے دیکھا - تو اسمین ایک خوشہ انگور تھا - ساتھ ہی چوبدار نے کہا کہ نواب صاحب نے دعا فرمائی ہے - یہ تبرک بھیجا ہے - اور فرمایا ہے کہ آپکا کلام آپکی زبان سے سننے کو جی چاہتا ہے - شیخ مرحوم نے وعدہ کیا اور تشریف لیگئے - بعد معمولی علیک سلیک انہون نے شعر کی فرمائش کی - تو شیخ مرحوم نے یہ مطلع پڑھا ؎

نگہ کا وار تھا دلپر پھڑکنے جان لگی
چلی تھی برچھی کسی پر کسی کے آن لگی

سُنکر بہت خوش ہوئے اور اسی دن شاگرد ہوگئے -

۴ - حافظ ویران حافظ غلام رسول ویران - نابینا تھے - مگر خدا نے انکی بصیرت کی آنکھین ایسی روشن کی تھین - کہ بصارت کی آنکھونکے محتاج نہین تھے - انکو شیخ مرحوم کا بہت سا کلام ازبر تھا - جب شیخ مرحوم کے مسودونکا سرمایہ دلی کے ساتھ ہوا تو حافظ موصوف کی کوشش سے مجموعہ غزلیات ذوق ۱۲۷۹ھ مین چھپکر شایع ہوا - اب حالمین مولوی آزاد نے بھی دیوان ذوق نیا چھپوایا تھا - مولوی آزاد کی اڈیشن کی نسبت ایک صاحب کہنے لگے کہ اسمین انہون نے بہت سی اپنی غزلین ملا دی ہین - چنانچہ وہ کہتے لگا کہ مین اُنکے کتب خانہ مین جو اکبری دروازہ کے باہر بنوایا تھا جایا کرتا تھا

اور اکثر دیکھا کرتا تھا کہ مولوی صاحب طبیعت سے اشعار گھڑ گھڑ کر تمام غزلون مین شامل کر دیتے تھے۔ دروغ برگردن راوی یہ بات قرین قیاس نہین ہے
در ہر دہن نہنگ نبات دگر است
مولوی آزاد کا انداز اور ہے۔ اور شیخ مرحوم کا اور تھا۔

۵ - نواب مرزا داغ۔ آجکل نواب حیدر آباد دکے استاد ہین بہت مدت تک رامپور رہے۔ انکے چار دیوان چھپ چکے ہین۔ پہلے دیوان کا نام گلزار داغ۔ ہے اور چوتھے دیوان کا۔ مہتاب داغ ہے۔ شیخ مرحوم کے دیوان کا پہلا شعر ہے سه

ہوا احمد خدا مین دل جو مصروف رقم میرا
الف الحمد کا سا بنگیا گویا قلم میرا

گلزار داغ میں بھی پہلی غزل اسی زمین مین ہے۔ اُسکا پہلا شعر ہے سه

عدوئے موسوی فن دیکھے اعجاز رقم میرا
عصائے موسوی ہے حمد خالق مین قلم میرا

اسی غزل مین شیخ مرحوم کا شعر ہے سه

دم شمشیر قاتل پر بھی خون جاتا ہے جم میرا
صراط عشق پر از بسکہ ہے ثابت قدم میرا

اور اسی قافیہ کو داغ نے اس طرح باندھا ہے سه

سلامت منزل مقصود تک اللہ پہنچا دے
مجھے آنکھین دکھاتا ہے ہر اک نقش قدم میرا

جیسے مومن کو تخلص عجیب ہاتھ آگیا تھا۔ ویسا ہی داغ کو تخلص ملگیا ہے جس نے اُنکے بہت سے مقطع سجا دئیے ہین۔ ایک مقطع یاد ہے سه

تجھے ہنسکر لگے کہنے تمہین کو داغ کہتے ہین
تمہین رہتے ہو لالہ مین تمہین ہو ماہ کامل مین

سنتے ہین حال مین انکو نظام حیدر آباد نے ایک غزل کے لئے پانچہزار روپیہ انعام دیا۔ اور ایک قطعہ تاریخ کے عوض مین طلائی گھڑی بخشی ہے۔

جناب قاضی نذر حسین صاحب وکیل و رئیس بجنہور کی زبانی معلوم ہوا کہ شیخ مرحوم کے شاگردون مین سے ایک خاص شاگرد مولوی مذاق صاحب بدایونی ہین جنکا

تخلص شیخ مرحوم نے اپنے تخلص کے مشابہ مقرر کیا تھا۔ انکا پایہ کلام مین اپنے مشہور استاد کے ہم پلہ ہے اور فصاحت اور خوبی مین بے نظیر ہے۔ مگر چونکہ مولوی مذاق صاحب کا رجحان تصوف اور درویشی کیطرف ہوگیا۔ اسواسطے اُنہون نے مروجہ مضامین مین غزل سرائی ترک کردی۔ اور اپنے کلام کو صرف نعت گوئی پر محدود کرلیا۔ اُنکی شاعری کا مرتبہ نعت گوئی مین بھی ویسا ہی اعلے رہا۔ جیساکہ وہ فی الحقیقت تھا۔ اور نعتیہ کلام شمالی ہند مین عموماً مشہور ہے۔ اور وہ دیگر شعرا کے مروجہ نعتیہ کلام سے کہین بڑھکر اچھے درجہ پر شمار کیا جاتا ہے۔ مولویصاحب موصوف کی شہرت شاعری سے بھی زیادہ درویشی مین ہے۔ اور بہت خلایق اُنکی مرید ہے اور وہ اپنے ملک مین ایک نامی شیخ اور بزرگ ہین۔ نوابصاحب والئی جامدہ بھی مولوی مذاق صاحب سے بیعت ہین۔ شیخ مرحوم کے روبرو جب مولویصاحب موصوف بھی مروجہ شاعری سے شوق رکھتے تھے ایک دلچسپ معاملہ وقوع مین آیا۔ شیخ مرحوم کی ایک مشہور غزل ہے۔ جو عمدگی مین اپنا جواب نہین رکھتی جسکا مطلع یہ ہے ؎

ہے کان اُسکے زلف معنبر لگی ہوئی
رکھے گی یہ ثریا برابر لگی ہوئی +

اِسی غزل کا ایک لطیف شعر یہ بھی ہے ؎

لاؤ تو قتل نامہ ذرا مین بھی دیکھ لون
کس کس کی مہر ہے سر محضر لگی ہوئی

مولوی مذاق صاحب نے بھی اسپر ایک عمدہ غزل لکھی اور اُسکے اِسی شعر مین محضر کے مضمون کو یون ادا کیا ہے ؎

اللہ رے شوق قتل کہ اپنے ہی ہاتھ سے
اپنی ہی مہر ہے سر محضر لگی ہوئی۔

شیخ مرحوم کے سامنے جب یہ غزل پڑھی گئی اور اِس شعر کی نوبت آئی تو شیخ مرحوم نے اِس شعر پر وجد کیا اور اُٹھکر مولوی مذاق کو سینہ سے لگالیا۔ اور یہ کہا کہ اِسی ایک شعر کے معاوضہ مین اپنے سارے کلام کو بیلذت خیال کرتا ہون۔

شیخ مرحوم کے اور بہت سے شاگرد ہوئے ہین اور ہین جنکا ذکر اِس کتاب مین کرنا بیفایدہ طول دینا ہے۔

شیخ مرحوم کا چال چلن بہ حالت مجموعی بہت اچھا تھا۔ اُس وقت کے لحاظ سے بہت عیبوں سے بچے ہوئے تھے۔ مگر پھر بھی فرشتہ نہ تھے بشر تھے۔ اور بشریت سے کوئی شخص خالی نہیں ہے چنانچہ ایک غزل میں کہتے ہیں ؎

زاہد شراب پینے سے کافر ہوا میں کیوں؟
کیا ڈیڑھ چلّو پانی سے ایمان بہ گیا ؟

مگر ۳۶ برس کی عمر تھی جبکہ جملہ منہیات سے توبہ کی۔ اور اُس کی تاریخ کہی۔

اتنے ذوق بگو سہ بار توبہ

۱۲۷۱ھ میں انہیں مرض موت نے آ دبایا۔ بہت سے ہاتھ پاؤں مارے جید طبیب اور حاذق حکیم بلوائے۔ مگر پیش نہ گئی آخر ۶۸ برس کی عمر میں ۲۴ صفر کی رات ۱۷ دن بیمار رہکر اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو سفر کر گئے۔ مرنے سے تین گھنٹہ پہلے یہ شعر کہا ؎

کہتے ہیں آج ذوق جہاں سے گذر گیا
کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

"اردو اخبار" میں جو اندنوں دلی کا چلتا پرزہ تھا۔ سال بھر تک ہر ہفتہ انکی وفات کی تاریخیں چھپتی رہیں۔

چوتھی فصل

تصنیف پراے

مولوی آزاد لکھتے ہین کہ جو غزلین شیخ مرحوم نے اپنے تخلص سے کہین اگر جمع کیجاتین تو بادشاہ کے چارون دیوانونکے برابر ہوتین۔ یہ بات بیشک درست معلوم ہوتی ہے۔ انہون نے کثرت مشق ہیں فنا فی الشعر کا رتبہ حاصل کیا تھا۔ انکا دن رات یہ ہی شغل تھا۔ اور اس شعر کی خاطر انہون نے دنیاوی لذتین موسمون کی بہارین۔ بدن کے آرام۔ دل کی آسائشین طبیعت کی امنگین سب کچھ چھوڑا۔ پس یہ ہرگز ممکن نہین کہ اس محنت کے بعد ایک مختصر سا دیوان اُن کی تصنیف ہو۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ اُن کا کلام کہان گیا ہے۔ اسکا جواب ایک مصیبت کا افسانہ ہے۔ جس کی مرثیہ خوانی آزاد نے اِن الفاظون مین کی ہے۔ کہ وہ انکی وفات کے چند روز بعد مین نے اور خلیفہ اسمٰعیل مرحوم نے چاہا کلام کو ترتیب دیں۔ چنانچہ مین نے انکی اپنی غزلین اور قصائد انتخاب کر لئے۔ یہ کام کئی مہینون مین ختم ہوا۔ غرض پہلے غزلین صاف کرنی شروع کین۔ اس خطا کا مجھے اقرار ہے۔ کہ کام کو مین نے جاری کیا۔ مگر اطمینان کے ساتھ کیا۔ مجھے کیا معلوم تھا۔ کہ اس طرح یکایک زمانہ کا ورق الٹ جائیگا۔ عالم تہ و بالا ہو جائیگا۔ حسرتونکے خون بہ جائینگے۔ دل کے ارمان ہی بجھ جائینگے دفعتہً ۱۸۵۷ء کا غدر ہو گیا۔ کسی کا کسی کو ہوش نہ رہا۔ چنانچہ افسوس ہے کہ خلیفہ محمد اسمٰعیل اُنکے فرزند جسمانی کے ساتھ ہی اُنکے فرزندان روحانی بھی دنیا سے رحلت کر گئے۔''

جو کچھ اُنکا کلام موجود ہے اُسمین غزلین تازگئے مضمون۔ صفائی کلام

چستی ترکیب - خوبیٔ محاورہ اور عام فہمی کے لحاظ سے بہت عمدہ ہین - مگر انہین میر تقی کی سادگی - عبارت اور صفائی نہین ہے - اسلئے میدان غزل مین اُنکا رتبہ اصول غزلیت کے لحاظ سے میر علیہ الرحمتہ سے کم ہے - میر کا انداز ہی نرالا ہے - انہون نے عجیب صنعت سے گھریلو زبان کو متانت کا رنگ دیکر محفل کے قابل بنایا ہے - شیخ مرحوم خود کہتے ہین ؎

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب
ذوق یارون نے بہت زور غزل مین مارا

شیخ مرحوم نے جرأت کے انداز کی تقلید کرنی چاہی مگر اسمین انہین کامیابی حاصل نہین ہوئی - سبب اسکا یہ ہے - کہ شیخ مرحوم کا انداز مختلف اوقات مین مختلف رنگ پر ہے - اپنے دیوان مین کبھی تو وہ اہل تصوف کا انداز اختیار کرکے سنجیدہ اشعار سُناتے ہین - اور عاشقانہ شوخی اور بانکپن کا لہرا دکھاتے ہین - میان جرأت نے میر علیہ الرحمتہ کے طرز تقی کو لیا - اور اُس کی فصاحت اور سادگی پر شوخی اور بانکپنی کا انداز ایسا بڑھایا کہ جس سے پسند عام نے شہرت دوام کا فرمان دیا - غزل گوئی مین کمال حاصل کرنے کے لئے حریف - ظریف - خوش طبع - عاشق مزاج ہونا ضروری ہے - یہ تمام صفتین جرأت مرحوم مین موجود تھین - مگر شیخ مرحوم مین نہ تھین - اسلئے انکا رتبہ غزلون کے لحاظ سے بقائے دوام کے دربار مین جرأت سے کمتر ہے - مفصلہ ذیل اشعار ملاحظہ کیجئے :-

میر

برقع کو اُٹھا چہرہ سے وہ بُت اگر آئے
اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آئے

سودا

اِس دلکی تف آہ سے کب شعلہ بر آئے
بجلی کو دم سرد سے جس کے حذر آئے

مصحفی

ہرگز نہ مراد دلِ معشوق بر آئے — یارب نہ شبِ وصل کے پیچھے سحر آئے

جرأت

اُس پردہ نشین سے کوئی کس طرح بر آئے — جو خواب مین بھی آئے تو منہ ڈھانک کر آئے

ذوق

ناقص کا صفا کیش سے مطلب نہ بر آئے — جو کور ہو عینک سے اُسے کیا نظر آئے

فردوس مین ذکر اُس لبِ شیرین کا گر آئے — پانی دہنِ چشمۂ کوثر مین بھر آئے

اِن اشعار کے مقابلہ مین اصول غزلیت مدنظر رکھنا چاہئے۔ غزل کا زیور سادگی فصاحت اور صفائی ہے اور مطالب کی دقت۔ مضامین کی بلند پروازی۔ بندش کی چستی۔ الفاظ کی شان شکوہ لازمہ قصائد کا ہے۔

شیخ مرحوم کے قصائد لاثانی ہین۔ سخن کے پرکھنے والون پر روشن ہے کہ غزل اور قصیدہ کے دو میدانون مین وہی فرق ہے جو زمین اور آسمان دِن اور رات کا فرق ہے مضامین کی بلند پروازی۔ الفاظ کی شان و شکوہ قصائد کے لئے ضروری ہے اوّل قصائد کا کہنا اور پھر اس دھوم دھام سے اعلیٰ درجۂ فصاحت و بلاغت پر پہنچانا پہلا فخر مرزا رفیع سودا۔ کا ہے۔ وہ اِس میدان مین کلام کے زور و شور مین انوری اور خاقانی۔ اور نزاکت مضمون مین عرفی اور ظہوری جیسے سوارون کے ساتھ عنان در عنان ہی نہین گئے بلکہ اکثر میدانون مین آگے نکل گئے ہین سودا کے بعد میر انشاء اللہ خان انشا نے قصائد بڑی دھوم دھام سے کہے مگر وہ آسمان سخن کا شاہین تیز پنجہ تھا۔ اِسکی طبیعت مین طاقت بہت تھی اور اسپر قابو نہ تھا۔ اِسلئے اُسکے قصائد مین کہین کہین بے اعتدالیان موجود ہین جنسے

قصیدہ کی متانت اور وقار کا اصول ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔ انشا کے بعد ذوق نے قصیدہ لکھے کہ بقول آزاد ہند کی زمین کو آسمان کر دکھایا۔ واقعی قصائد اردو میں شیخ مرحوم سب شعرا سے سوائے مرزا رفیع سودا کے بڑھکر ہیں۔ اسلئے انکا رتبہ بطور شاعر بحالت مجموعی جرأت سے بڑھکر ہے۔

مثنوی شیخ مرحوم کی مین نے کوئی نہیں دیکھی۔ مولوی آزاد لکھتے ہیں کہ شیخ مرحوم نے نواب حامد علیخان مرحوم کی فرمائش سے ایک عاشقانہ خط جسکا نام نامۂ جانسوز رکھا تھا۔ جسکے تین سو شعر ہو گئے تھے۔ انہین اوّل حمد و نعت۔ پھر ساقی نامہ۔ پھر القاب معشوق۔ پھر سراپا۔ پھر یاد ایام وغیرہ تھی۔ شاید یہ مثنوی بھی اونہین غزلون مین گئی جو انکے صاحبزادہ کے پاس نہین۔

مرثیے اور سلام کہنے کا انہین موقع نہین ملا۔

تاریخون کی بابت مولوی آزاد لکھتے ہین کہ شیخ مرحوم نے صدہا تاریخین کہین مگر یہ کہ انکی بادشاہ کے حصے مین آئی۔ کیونکہ بہت بلکہ کل تاریخین انہین کے نام سے ہوئین۔ مولوی آزاد کی کلام سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چارون دیوان بادشاہ کے دراصل ذوق مرحوم کے لکھے ہوئے ہین۔ یہ بات مجھے انوکھی معلوم ہوتی ہے۔ وہ ہی مثل ہوئی۔ فوج بیچاری رہے اور نام ہو سردار کا۔ مرزا ابو الظفر نے اپنی تمام عمر شعر و سخن مین صرف کر دی اور پھر نام انکے اُستاد کا ہو گیا۔ بادشاہ کی غزل کو صرف شیخ مرحوم نے ہی اصلاح نہین دی۔ بلکہ شاہ نصیر اور میر بیقرار بھی اصلاح دیتے رہے۔ اس خیال سے بہتر تھا کہ مولوی آزاد یہ فرماتے کہ ایک دیوان بادشاہ کو شاہ نصیر۔ اور بیقرار نے کہدیا۔ اور تین دیوان شیخ مرحوم نے کہدیے یہ امر مسلم ہے کہ بہادر شاہ ملک ایجاد کا بادشاہ تھا۔ وہ خود نئی نئی باتین نکالتا تھا۔ ستر برس اُس نے شعر و سخن مین صرف کئے تھے۔ مجھے یہ یقین نہین آتا۔ ہرگز یقین نہین آتا۔ کہ اُس نے ذوق سے غزلین کہلا کر اپنا تخلص اُنمین داخل کر لیا۔ کیا بادشاہ کوڑ مغز ہوا کرتے ہین۔ کیا انمین شعر کہنے کا ملکہ نہین ہوتا۔ کیا اُن کی استعداد دماغی کمزور ہوتی ہین۔ صرف اسوجہ سے کہ وہ بادشاہ ہین۔ جیسے انسان ذوق غالب اور مومن ہوئے ہین۔ ویسا ہی بہادر شاہ بھی انسان تھا پھر کیون نہ تسلیم کیا جاوے کہ چار دیوان جو اُسکے موجود ہین۔ اُسکی اپنی طبیعت کا کرشمہ ظہور ہے۔ اصلاح کے معنے یہ نہین ہوتے ہین کہ پوری غزل کہکر حوالہ کر دیجائے۔ اصلاح کا

یہ مطلب ہے کہ اگر عجز طبیعت ہو تو اسمین شان و شکوہ پیدا کر دیا جاوے۔ اور کہین کہین ایک آدھ لفظ بدلکر مصرعہ کو بشرط ضرورت چست کر دیا جاوے۔

مولوی آزاد فرماتے ہین کہ شیخ مرحوم نے بادشاہ کے لیئے چار دیوان کہے اور مین یہ کہتا ہون کہ ذوق خاقانیٔ ہند ظفر کے اُستاد بنکر رہ گئے۔ شیخ مرحوم کو ظفر کا اُستاد بنتے ہی یہ شہرت نصیب ہوئی۔ اور ایسے ایسے اسباب مہیا ہوئے جن سے اُنہون نے عوام مین عزت حاصل کی۔ اگر ظفر شاگرد نہ ہوتے تو غریبی جو والد سے آپکو میراث مین پہنچی تھی انہین اوسط درجہ کے شاعرون مین ہی رہنے دیتی۔ یہ بادشاہ کا ہی ڈر تھا کہ اور شاعر اُن سے دبتے تھے۔ اور علانیہ مقابلہ پر آتے ہوئے چراتے تھے۔ قصہ مختصر ذوق مرحوم کو جو کچھ فروغ ہوا۔ وہ ظفر کی بدولت ہوا۔ اسمین کلام نہین کہ اُنکی طبع رسا تھی۔ مگر ولیعہد بہادر کے سلوک نے اُنکے حق مین وہ اثر کیا۔ جو خربوزہ کے حق مین تلدری ہے۔ ولیعہد کی بات تو درکنار مولوی آزاد تو یہانتک فرماتے ہین کہ دیوان معروف جو اب رائج ہے وہ تمام کمال شیخ مرحوم کا اصلاح کیا ہوا ہے۔

اور تسبیح زمرد کا تمام سلسلہ شیخ مرحوم کا کہا ہوا ہے۔

جائے انصاف ہے کہ نواب الہی بخش خان معروف۔ جیسا فن شعر کا ماہر کامل غیر کے کہے ہوئے اشعار اپنے نام سے مشہور کرانے کب عقل گوارا کر سکتی ہے۔ افسوس ہے شیخ مرحوم کی تعریف مین مولوی آزاد نے حد اعتدال سے تجاوز کیا ہے۔ اور سراسر انصاف کا خون کیا ہے۔ شیخ مرحوم کی وفات کے بعد بھی ظفر نے غزلین کہین ہین۔ جو پہلی کہی ہوئی غزلون سے کسی طرح رتبہ مین کم نہین ہین۔ اور مجھے مجبوراً کہنا پڑتا ہے۔ کہ جو تعریف مولوی آزاد نے ذوق مرحوم کی کی ہے۔ وہ اُس تعریف کے مستحق نہین تھے۔ چشم انصاف سے دیکھا جاوے تو یہ الفاظ اُنکی صفت مین نہایت موزون ہین۔

شیخ ابراہیم۔ ایک بڑے تیز طبع لائق شاعر تھے جنکی غزلیات اصول غزل گوئی کے لحاظ سے میر علیہ الرحمتہ۔ اور جرأت مرحوم کی غزلیات سے رتبہ مین کم ہین۔ جنکے قصائد مرزا رفیع کے قصائد سے دوسرے درجہ پر ہین مگر اور سب شعرائے اردو زبان کے قصائد سے بہتر ہین۔

اب اگر کوئی پوچھے کہ سرکاری مدارس مین دیوان ذوق کیون رائج ہے۔ تو

اسکا جواب یہ ہے کہ یہ مولوی آزاد کی عنایت ہے۔ وہ سررشتہ تعلیم اور پنجاب ٹکسٹ بک کمیٹی کے ایک کارکن رکن تھے۔ جو تجویز انہوں نے پیش کی وہی منظور ہوئی۔ اردو فارسی کی درسی کتابین مولوی آزاد کی راے سے مقرر ہوا کرتی تہین۔

اصل معاملہ یہ ہے کہ جو چار دیوان ظفر کے ساتھ ہین۔ وہ مرزا ابوظفر کے اپنے کہے ہوے ہین۔ اور شیخ زمرد۔ نواب معروف کی ذاتی لیاقت کا نمونہ ہے۔ البتہ کہین کہین انمین ضرور شیخ مرحوم نے کوئی کوئی شعر چست اور درست کردیا ہوگا۔

شیخ مرحوم کی کلام پر لوگ اعتراض بہی کرتے ہین۔ چنانچہ مفصلۂ ذیل بطور نمونہ درج کئے جاتے ہین۔

ایک غزل کا شعر ہے ؎

اس نزاکت پر نظر کرنا کہ وہ رشک پری
بال بہی باندہے جو مستی پر تو زلف جو ر کا

مولوی عمو جان صاحب دہلی فرمانے لگے۔ کہ جس معشوق کے بدن مستے ہون وہ خوبصورت خاک ہوگا۔ مستون کا ہونا سخت عیب ہے

انکا شعر ہے ؎

نشان بے رواجی گرد کہاتے سے زور مٹ جاوے
جہپک سے دیدہ صراف کے نقش درم ہیرا

اکثر لوگ کہتے ہین کہ یہ شعر مہمل ہے۔ مگر میری راے مین یہ اعتراض واہی ہے۔ اس شعر کے یہ معنے ہین۔ نشان بے رواجی گرد کہاتے سے تو میرا نقش درم دیدۂ صراف کی جہپک سے مٹجاتے۔ یعنے میری بے رواجی اور بے قدری سی جب زور دکہاتی ہے۔ تو یہ ہوتا ہے کہ جب مین درم لیکر صراف کے پاس پرکہوانے لیجاتا ہون۔ تو صراف اس کو قبول کرتا ہے۔ لیکن جتنی دیر مین وہ آنکہ جہپکتا ہے اس اثنا مین نقش درم مٹ جاتا ہے۔ اور وہ درم کہوٹا ہوجاتا ہے ایک پرانی غزل کا شعر ہے ؎

سر بوقت ذبح اپنا اُسکے زیر پاے ہے
یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جاے ہے

لوگوں نے کہا یہ صفتی ترکیب ہے۔ اسمیں سے زیادہ کرنی جایز نہیں
مولوی آزاد کہتے ہیں۔ یہ اعتراض کم نظری کے باعث سے ہے۔ اور یہ شعر سند
مین پیش کرتے ہیں ؎

در ختے کہ اکنون گرفت است پائے
بہ نیروے شخصے بر آید ز جائے

مگر میرے خیال مین یہ ترکیب فارسی مین جایز ہے۔ اردو مین نہین انکا
ایک مطلع ہے ؎

مرے جو موت کے عاشق بیان کبھو کرتے
مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے

اسپر اعتراض ہوا۔ کہ الفاظ "کبھو" "ڈو چھڑے" "بل بے" وغیرہ متروک
ہو چکے ہین۔ اب کبھو کی جگہ کبھی کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اِن کا ایک
شعر ہے ؎

بل بے وحشت ابتلک بھی شاخ آہو کیطرح
پیچ کھاتا ہے دھوان میرے چراغ گور کا

اِس شعر مین بھی لفظ بل بے پر اعتراض تھا۔
ایک پرانی غزل کا شعر ہے ؎

دانہ خرمن ہے ہمین قطرہ ہے دریا ہمکو
آئے ہے جز مین نظر کل کا تماشا ہمکو

اسپر اعتراض ہوا کہ اصل لفظ جزو ہے۔ فقط جز صحیح نہین۔ اگرچہ لفظ
واقعی جزو ہے۔ مگر رعایت نظم مین جزو کی جگہ جز بھی استعمال ہوا ہے مثلاً
امیر خسرو فرماتے ہین ؎

ہرچہ کند در جزو در کلّ اثر
کلّی و جز بیش بود زان خبر

اور میر تقی فرماتے ہین ؎

جز مرتبۂ کلّ کو حاصل کرے ہے آخر
ایک قطرہ نہ دیکھا جو دریا نہ ہوا ہوگا۔

انکی ایک غزل کا شعر ہے ؎

منہ اٹھائے ہوئے جانا ہے کہاں تو کہ تجھے
ہے ترا نقش قدم چشم نمائی کرتا

نواب کلب حسین خان نادر۔ فرماتے ہین۔ (تجھے) دوسرے مصرعہ کا حق ہے۔ پہلے مصرعہ مین نہین لانا چاہئے۔

شیخ مرحوم کا ایک شعر ہے ؎

لب تک اسکی جو ہوئی دسترس جام شراب
بنگیا خال لب اسکا مگس جام شراب

اسپر یہ اعتراض کرتے ہین۔ کہ خال کو تشبیہہ زاغ بستان ارم۔ ہندوی آتش پرست۔ سوید اے دل۔ نقطۂ ام الکتاب سے دیتے ہین کہ مگس سے جو ایک مکروہ شے ہے۔ اس کی کچھ مناسبت نہین۔ اور کہ اگر خال اس وضع کا ہے کہ اس کا عکس مگس کی شکل کا ہے۔ تو سلام ہے ایسی خوبصورتی کو۔

شیخ علیہ الرحمتہ کا مشہور شعر ہے ؎

قسمت ہی سے ناچار ہون اے ذوق وگرنہ
سب فن مین ہوں طاق مجھے کیا نہین آتا۔

معترض یہ اعتراض کرتے ہین کہ فن صیغہ واحد ہے اور سب جمع کے ساتھ آتا ہے۔ سب فنون مین ہونا چاہئے تھا۔ مگر میرے خیال مین یہ غلطی کتابت ہے۔ اصل مصرعہ یون ہے۔ ع

ہر فن مین ہون مین طاق مجھے کیا نہین آتا

اسکا ایک اور شعر ہے ؎

تھا کوچۂ قاتل مین شہادت کا دفینہ
کھودا جو کنوان گنج شہیدان نکل آیا

اس شعر کی نسبت یہ اعتراض کرتے ہین کہ شہادت صفت ہے موصوف نہین ہے یعنے شہادت وہ حالت ہے۔ جو شہیدون پر واقع ہوتی ہے۔ اوّل تو صفت کا وجود نہین ہوتا۔ اسلیے اسکا دفینہ ہونا معلوم۔ دوم یہ کہ دوسرے مصرعہ مین لکھا ہے کہ گنج شہیدان نکل آیا یعنے دوسرا مصرعہ جو نتیجہ دعوی کے جو پہلا مصرعہ ہے نقیض ہے۔ یعنے پہلے مصرعہ مین لکھا ہے کہ دفینہ شہادت ہے۔ اور دوسرے مین لکھتے ہین کہ وہ گنج شہیدان ہے۔

شیخ مرحوم کے کلام پر اعتراض کرنا بھی حماقت ہے۔ وہ اس رتبہ کے شاعر نہ تھے کہ ہر ایک انکے اشعار پر نکتہ چینی کر لے۔ وہ ایک ذی لیاقت قادر الکلام شاعر تھے۔ اور بندش مضمون۔ درستی الفاظ۔ مناسبت تشبیہہ و استعارہ کے لحاظ سے انکا کلام بالکل عیوب سے پاک ہے۔ اگر وہ معمولی درجہ کے شاعر ہوتے تو ظفر جیسا سخن شناس انکو استاد بنا کر عزت کو بٹہ نہ لگاتا۔

غزلیات

گل اس نگہ کے زخم رسیدوں میں مل گیا
یہ بھی لہو لگا کے شہیدوں میں مل گیا

کیا جلسے تیغ عشق کی لذت کو بوالہوس
گو چون ملخ وہ حلق بریدوں میں مل گیا

گر بعد فقر پھر سگ دنیا ہوا فقیر
کم بخت پاک ہو کے پلیدوں میں مل گیا

دکھلا کے کہکشان فلک چاک سینہ رات
اس ماہوش کے سینہ دریدوں میں مل گیا

اس شکل سے ہوا وہ طلبگار دید یار
صاف آئینہ کا دیدہ ندیدوں میں مل گیا

حب حسین ذوق وہ شے ہے کہ جس سے حر
تھا اگرچہ اشقیا میں سعیدوں میں مل گیا

نالہ اس شور سے کیوں میرا دہائی دیتا
اے فلک گر تجھے اونچا نہ سنائی دیتا

دیکھ چھوٹوں کو ہے اللہ بڑائی دیتا
آسمان آنکھ کے تلمین ہی دکھائی دیتا

لاکھ دیتا فلک آزار گوارا تھی مگر
ایک تیرا نہ مجھے درد جدائی دیتا

پنجہ مہر کو خون شفقی میں ہر روز
غوطے کیا کیا ہے تیرا دست حنائی دیتا

روش اشک گرادینگے نظر سے اکدن
ہے ان آنکھوں سے یہی مجھکو سجھائی دیتا

میں ہوں وہ صید کہ پھر دام میں پھنستا جا کر
گر قفس سے مجھے صیاد رہائی دیتا

کون گھر آئینہ کے جاتا اگر وہ گھر میں
خاکساری سے نہ جاروب صفائی دیتا

خوگر ناز ہوں کس کا کہ مجھے ساغر سے
بوسہ لب نہیں بے چشم نمائی دیتا

منہ سے بس کرتے نہ ہرگز یہ خدا کے بندے
گر حریصوں کو خدا ساری خدائی دیتا

دیکھ گر دیکھتا ہے ذوق کہ وہ پردہ نشین
دیدہ روزن دل سے ہے دکھائی دیتا

ہم ہیں اور سایہ ترے کوچہ کی دیواروں کا
کام جنت میں ہے کیا ہم سے گنہگاروں کا

محتسب گرچہ دل آزار ہے مے خواروں کا
دیجیے اک جام تو ہے یار ابھی یاروں کا

اتنا تو سوز و فغاں ہو کہ چمن میں بلبل
خرمن گل کی جگہ ڈھیر ہو انگاروں کا

چرخ پر بیٹھ رہا جان بچا کر عیسےٰ
ہو سکا جب نہ مداوا ترے بیماروں کا

ہوں رگیں حلق بریدہ کی بہار گر خونبار
گر تماشا تجھے منظور ہو فواروں کا

ہیں کماندار ترے تیر مژہ تشنۂ خوں
منہ کھلا رہتا ہے اس واسطے سوفاروں کا

کیوں نہ ہر تار میں سو دل ہوں گرفتار کہ یہ
جینچا نہ ہے محبت کے گرفتاروں کا

دینگے جان بوسۂ لعل نمکیں پر ہم بھی
جان نثاری ہے اگر شیوہ نمک خواروں کا

بے سیاہی نہ چلا کام قلم کا اے ذوق
روسیاہی سر و سامان ہے بدکاروں کا

مرے سینہ سے تیرا تیر جب اے جنگجو نکلا
دہان زخم سے خوں ہو کے حرف آرزو نکلا

مرا گھر تیرا منزل گاہ ہو یہ کہاں طالع
خدا جانے کدھر کا چاند آج اے ماہرو نکلا

پھرا گر آسماں تو شوق میں تیرے ہے سرگرداں
اگر خورشید نکلا تیرا گرم جستجو نکلا

مئے عشرت طلب کرتے تھے ناحق آسماں سے ہم
کہ آخر جب اسے دیکھا فقط خالی سبو نکلا

ترے آنے ہی آتے کام آخر ہو گیا میرا
رہی حسرت کہ دم میرا نہ تیرے روبرو نکلا

نہیں تجھکو نہ پایا گرچہ ہم نے اک جہاں ڈھونڈا
پھر آخر دل ہی میں دیکھا بغل ہی میں سے تو نکلا

خجل اپنے گنہ سے ہوں نہیں یہاں تک کہ جب دیکھا
تو جو آنسو مری آنکھوں سے نکلا سرخ رو نکلا

گھسے سب ناخن تدبیر اور ٹوٹی سر سوزن
مگر نخل دل میں جو کانٹا نہ وہ ہرگز کبھو نکلا

اسے ہم یار یار سمجھے ذوق ہم جب تک
جسے یہاں دوست اپنا سمجھے تھے جانا وہ عدو نکلا

لے یار روز عید شب غم سے کم نہیں
جام شراب دیدۂ پر نم سے کم نہیں

دیتا ہے دور چرخ کسے فرصت نشاط
ہو جسکے پاس جام وہ ایام جم سے کم نہیں

اس لطف قد نے ناز کے لئے اے مسیح دم
کچھ دست شانہ پنجۂ مریم سے کم نہیں

نہ بیاہے رخ زرد پہ کیا اشک لالہ گوں
اپنی خزاں بہار کی موسم سے کم نہیں

شہرت ہے نبض کی رگ سنگ مزار میں
دلکی تپش کچھ اب بھی تپ غم سے کم نہیں

ہوتی ہے جمع زر سے پریشانی آخرش
درہم کی شکل صورت درہم سے کم نہیں

ساقی ملے ہزار فلاطوں ہیں خاک میں
جو خم کہ ہے خم آدم سے کم نہیں۔

اُس حور وش کا گھر مجھے جنت سے ہے سوا
لیکن رقیب ہو تو جہنم سے کم نہین +

شور آبۂ سرشک سے دہوتا ہون زخم دل
تیزاب میرے حق مین یہ مرہم سے کم نہین

ہاتھون سے تیرے پارۂ الماس زخم دل
مجھکو تو جلوۂ گل شبنم سے کم نہین +

اے ذوق کس کو چشم حقارت سے دیکھئے
سب ہم سے ہین زیادہ کوئی ہم سے کم نہین

جُدا ہون یار سے ہم۔ اور نہ ہون رقیب جُدا
ہے اپنا اپنا مقدر جُدا۔ نصیب جُدا

تیری گلی سے نکلتے ہی اپنا دم نکلا
رہے ہے کیونکہ گلستان سے عندلیب جُدا

دکھاوے جلوہ جو مسجد مین وہ بت کافر
تو چیخ اُٹھے موذن جُدا خطیب جُدا

جُدا نہ درد جُدائی ہو گر میرے اعضا
حروف درد کی صورت ہون اے طبیب جُدا

ہجوم اشک کے ہمراہ کیون نہ ہو نالہ
کہ فوج سے نہین رہتا کبھی نقیب جُدا

فراق خلد سے گندم ہے سینہ چاک اب تک
الٰہی ہو نہ وطن سے کبھی غریب جُدا

کیا حبیب کو مجھ سے جُدا فلک نے مگر
نہ کر سکا کبھی مجھ سے غم حبیب جُدا +

کرین جُدائی کا کس کس کی رنج ہم اے ذوق
کہ ہونے والے ہین سب ہم سے عنقریب جُدا

کسی بیکس کو اے بیداد گر مارا تو کیا مارا
جو آپ ہی مر رہا ہو اُسکو گر مارا تو کیا مارا

نہ مارا آپکو جو خاک ہو اکسیر بن جاتا +
اگر پارے کو اے اکسیر گر مارا تو کیا مارا

بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا
نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا

خطا تو دلکی تھی قابل بہت سی مار کھانیکی
تیری زلفون نے مشکین باندھ کر مارا تو کیا مارا

نہین وہ قول کا سچا ہمیشہ قول دیکر
جو اُس نے ہاتھ میرے ہاتھ پر مارا تو کیا مارا

تفنگ و تیر تو ظاہر نہ تھا کچھ پاس قاتل کے
الٰہی پھر جو دل پر تاک کر مارا تو کیا مارا +

ہنسی کے ساتھ یان روتا ہے مثل قلقل مینا
کسی نے قہقہہ اے بیخبر مارا تو کیا مارا +

میرے آنسو ہمیشہ ہین برنگ لعل غرق خون
جو غوطہ آب مین مارا اگر مارا تو کیا مارا

جگر دل دونون پہلو مین ہین زخمی کسنے کیا جانین
اِدہر مارا تو کیا مارا اُدہر مارا تو کیا مارا

دل سنگین خسرو پر بھی ضرب کوہکن پہنچا
اگر تیشہ سر کہسار پر مارا تو کیا مارا

گیا شیطان مارا ایک سجدہ کے نکرنے مین
اگر لاکھون برس سجدہ مین سر مارا تو کیا مارا

دل بدخواہ مین تھا مارنا یا چشم بدبین مین
فلک پر ذوق تیر آہ گر مارا تو کیا مارا

فصل پانچوین

ذوق - انشا - غالب

اِس فصل مین ہمین یہ مدنظر ہے - کہ شیخ ابراہیم کا مقابلہ سید انشاء اللہ خان - اور مرزا اسد اللہ غالب - سے کرین - اِسلئے ضرور ہے کہ کچھ سید انشاء اور غالب کے مختصر حال سے بھی ناظرین کو آگاہ کیا جاوے -

سید انشاء اللہ خان انشاء - میر ماشاء اللہ خان - کے بیٹے تھے - اِنکے بزرگ نجف اشرف سے سمرقند آئے اور سمرقند سے دلی مین آکر سکونت اختیار کی - میر ماشاء اللہ خان - دربار شاہی مین طبیب تھے - اور اِسوقت کے عیلے زمان سمجھے جاتے تھے - کہتے ہین اُنکے ہاتھ مین شفا تھی - انشاء نے جیسا کہ امیرزادون کا دستور تھا سب ضروری علوم و فنون مین کما حقہ لیاقت حاصل کی - قدرت نے اُنھین ایسا طبع اور عالی دماغ پیدا کیا تھا - کہ گردش دوران مین ایک تھے - بیشک ایسا تیز طبع انسان ہندوستان مین کم پیدا ہوا ہوگا - اُنکی طبیعت ایک ہیولے تھی - کہ ہر قسم کی صورت پکڑ سکتی تھی - انشاء نے اپنا آبائی پیشہ اختیار نہین کیا اُنھون نے شاعری کو لیا - اور اِسمین وہ وہ تصرف کیے کہ اُنکے کلیات کو دیکھنے والا حیران رہجاتا ہے - اُنھون نے شاعری کی بدولت وہ عروج پایا کہ نواب سعادت علیخان کی ناک کا بال بنگئے - اپنی لیاقت کمال - اور شگفتہ مزاجی خطور خلائق بھے - اِنکے دروازہ پہ پالکی - نالکی اور ہجوم سے رستہ نہ ملتا تھا - لکھنو مین کوئی رئیس نہ تھا - جو انشاء سے نہ ملتا ہو - اور اُنکی ملاقات فخر نہ سمجھتا ہو - مگر افسوس ہے انشاء کا انجام بخیر نہ ہوا - آخر عمر دروازہ جہان ہاتھی جھولتے تھے - وہان کتے لوٹتے تھے - اور خاک اُڑتی تھی سعادت علیخان

سنے انکی اخیر حالت کا یہ طرح فوٹو کھینچا ہے۔ کہ ایک دفعہ مین لکھنؤ گیا۔ اور سرا مین اُترا۔ قریب ہی مشاعرہ تھا۔ اشتیاق کھینچ کر مجھے بھی جلسہ مین پہنچا۔ کیا دیکھتا ہون کہ ایک شخص میلی کچیلی روئی دار مرزئی پہنے۔ سر پہ ایک میلا سا پٹکا۔ گھٹنا پانون مین گلے مین پھلیون کا توبڑا ڈالے ایک لکڑی کا حقہ ہاتھ مین لئے آیا۔ اور سلام علیکم کہکر بیٹھ گیا اُس نے اپنے توبڑہ مین ہاتھ ڈالکر تمباکو نکالا۔ اور اپنی چلم پر سلفا جما کر کہا کہ بھئی ذرا سی آگ ہو تو اس پر رکھدو۔ اسیوقت آوازین بلند ہوئین اور گرد گرد کی شکل ہو۔ پھر ان سے لوگ تواضع کرنے لگے۔ وہ بیدماغ ہو کر بولا کہ صاحب ہمین ہمارے حال پر رہنے دو نہین تو ہم چلتے ہین۔ سب نے اُنکی بات تسلیم کی۔ دم بھر کے بعد پھر بولا کہ کیون صاحب ابھی مشاعرہ شروع نہین ہوا۔ لوگون نے کہا۔ کہ جناب لوگ جمع ہوتے جاتے ہین سب آجاوین تو شروع ہو۔ وہ بولا کہ صاحب ہم تو اپنی غزل پڑھ دیتے ہین یہ کہکر توبڑہ مین سے ایک کاغذ نکالا اور غزل پڑھنی شروع کر دی :-

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یہان سب یار بیٹھے ہین ۔۔۔ بہت آگے گئے باقی جو ہین تیار بیٹھے ہین
پچھیڑے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی ۔۔۔ تجھے اٹکھیلیان سوجھی ہین ہم بیزار بیٹھے ہین
تصور عرش پر ہے اور سر ہے پائے ساقی پر ۔۔۔ غرض کچھ اور دھن مین اسگھڑی مے خوار بیٹھے ہین
بسان نقش پائے رہروان کوئے تمنا مین ۔۔۔ نہین اُٹھنے کی طاقت کیا کرین لاچار بیٹھے ہین
یہ اپنی چال ہے اُفتادگی سے اب کہ پہرون تک ۔۔۔ نظر آیا جہان پر سایۂ دیوار بیٹھے ہین
کہان صبر و تحمل آہ ننگ و نام کیا شے ہے ۔۔۔ میان رو پیٹ کر ان سب کو ہم یکبار بیٹھے ہین
نجیبون کا عجب کچھ حال ہے اس دور مین یارو ۔۔۔ جہان پوچھو یہی کہتے ہین ہم بیکار بیٹھے ہین

بھلا گردش فلک کی چین دیتی ہے کسے انشا
غنیمت ہے کہ ہم صورت یہان دو چار بیٹھے ہین

غزل پڑھ۔ کاغذ پھینک۔ سلام علیکم کہکر چلے گئے۔ غزل پڑھتے ہی مین نے پہچانا کہ لوہو یہ تو انشا ہین ۔

پھر جو میرا لکھنؤ جانے کا اتفاق ہوا۔ تو پوچھتا ہوا گھر پہنچا۔ ڈیوڑھی پر دستک دی اندر سے کسی بڑھیا نے پوچھا کہ کون ہے بھائی۔ مین نے کہا کہ سعادت یار خان دلی سے آیا ہے۔ اُس ضعیفہ نے پہچانا۔ دروازہ پر آکر بہت روئین اور کہا کہ بیٹا انکی تو عجیب حالت ہے بیٹھ لو۔ مین ہٹ جاتی ہون تم اندر آؤ اور دیکھ لو۔ مین اندر گیا۔ دیکھا کہ ایک کونے مین بیٹھے ہین۔ تن برہنہ ہے۔ دونون زانون پر سر دھرا ہے۔ آگے راکھ کے ڈھیر مین ایک لوٹا سا

حقہ پاس رکھا ہے ۔"

سید انشا اور ذوق مرحوم کی طبیعتوں میں کالے کوسوں کا فرق تھا ۔ انشا شوخی
طبیعت کے لحاظ سے سیماب تھے ۔ تو ذوق مرحوم سنجیدگی کے خیال سے سنگلاخ چٹان
سید انشا اگر ایک شاہین تھے جسکے سینہ میں علوم و فنون کے زر بھرے تھے ۔ اور
جسکو طراری اور براقی کے بازو اڑائے لئے پھرتے تھے ۔ تو ذوق مرحوم ایک
بلبل ہزار داستان تھے ۔ انشا ہر بزم میں گلدستہ احد اور ہر چمن میں پھول
تھے تو ذوق مرحوم یکرنگی کے باغ کے آزاد سرو تھے ۔

ذوق مرحوم کا ایک نامکمل دیوان دیکھکر رونا آتا ہے ۔ تو انشا کی کلیات دیکھکر
دل کا غنچہ پژمردہ کھل جاتا ہے ۔ انشا کا یہ عالم تھا ۔ کہ ہندوستان کی زبانیں انکے
گھر کی لونڈیاں تھیں ۔ منٹ منٹ میں روپ بدلتے تھے ابھی پنجاب میں کھڑے تھے
تو ابھی پورب میں جا نکلے ۔ ابھی برج باشی تھے ۔ تو ابھی مرہٹے ہو گئے ۔ ابھی کشمیری
تھے تو ابھی افغان بن گئے ۔ مگر ذوق مرحوم نے جو کچھ کہا ہے وہ خاص دلی کی ٹھیٹھ
اردو میں کہا ہے ۔ انشا کی طبیعت میں طاقت بہت تھی ۔ مگر اسپر قابو نہ تھا ۔ ذوق کی
طبیعت میں اسقدر طاقت تو نہ تھی ۔ مگر جتنی طاقت تھی اسپر کمال اختیار رکھتا ۔ انشا
سمندر تھے تو ذوق میٹھے پانی کا چشمہ ۔ سید انشا کسی اصول کے پابند نہ تھے ۔ مگر
ذوق مرحوم کو اس امر کا بڑا خیال تھا ۔ ذوق کے دیوان سے یہ ترشح ہوتا ہے
کہ ایک دلی والا فصاحت و بلاغت سے گل افشانی کر رہا ہے ۔ سید انشا کی کلیات
میں یہ لطف ہے کہ اسے لیکر بیٹھو تو یہ معلوم ہوگا ۔ کہ ایک ایرانی تازہ ولایت سے آیا
اور شیر و شیراز کے دودھ گھونٹ سبکو پلا گیا ۔ ایک دو ورق الٹو تو دیکھو گے کہ ایک
عرب العربا ۔ جبہ پہنے آیا ۔ اور آب زمزم سب میں تقسیم کر گیا ۔ ذرا اور آگے چلو تو
دیکھو گے کہ عالیجاہ کابلی صاحب نے سب کا منہ میٹھا کر دیا پھر دیکھو گے کہ برج کی گوپیاں بھیرویں گا کر تصویر حیرت بنا گئیں اور ذرا آگے
بڑھو تو پنجاب کی گوری چھنک سے نئی جٹنیاں ایک ایک پیالہ لسی اور چھاچھ کا سب کو پلا گئیں آگے
آگے کشمیری ٹھیٹ بلبل ادھر ادھر بیٹھے ہیں ۔ آپکے لئے چائے اور قہوہ لئے موجود ہیں ۔

ذوق مرحوم کے دیوان میں صرف غزلیات اور قصائد ہیں اور سید انشا کی تصنیف
میں دیوان غزلیات اردو و فارسی ۔ دیوان ریختی ۔ ریختی میں پہیلیاں ۔ مستزاد ۔ قصیدے
اردو و فارسی ۔ مثنوی فارسی و اردو ۔ دیوان بے نقطہ ۔ پہیلیاں ۔ چیستان ۔ ترکیب بند
وغیرہ وغیرہ موجود ہیں ۔

ذوق مرحوم حتیٰ الوسع کسی سے برسرِ پرخاش نہ ہوئے اور جہانتک مجھے علم ہے کسی کی ہجو نہین لکھی اور سلامت روی کو ہمیشہ مدنظر رکھا۔
سید انشاء جسکے پیچھے پڑے۔ پنجہ جھاڑ کر پڑے۔ اور ایسے ہاتھ دھو کر کہ دمچے کہ اُسکو جان چھڑانی مشکل ہوگئی۔

غرض جملہ حالات کو ملحوظ خاطر رکھکر تقاضے دوام کے دربار مین دونون کا رُتبہ مساوی سمجھنا چاہئے۔ اور ایک ہی نیم تخت پر دونونکو پہلو بہ پہلو بٹھانا چاہئے دو غزلین سید انشاء کی نمونہ کے طور پر ہدیہ ناظرین کرتا ہون:-

لگا کے برف سے ساقی صراحئی مے لا
جگر کی آگ بجھے جس سے جلد وہ شے لا
قدم کو ہاتھ لگاتا ہون اُٹھ کہین گھر چل
خدا کے واسطے اتنے تو پانون مت پھیلا
نکل کے وادئی وحشت سے دیکھ اے مجنون
کہ زور دھوم سے آتا ہے ناقہ لیلا
گرا جو ہاتھ سے فرہاد کے کہین تیشہ
درون کوہ سے نکلی صدائے واویلا
نزاکت اُس گُل رعنا کی دیکھیو انشاء
نسیم صبح جو چھو جائے رنگ ہو میلا

فخریہ انداز ملاحظہ ہو

ایک طفل دبستان ہے فلاطون میرے آگے
کیا منہ ہے ارسطو جو کرے چون میرے آگے
کیا مال بھلا قصر فریدون میرے آگے
کانپے ہے پڑا گنبد گردون میرے آگے
مرغان اولی اجنحہ مانند کبوتر
کرتے ہین صدا عجز سے غون غون میرے آگے
منہ دیکھو تو نقارچئے بیل فلک بھی
نقارہ بجا کر کہے دون دون میرے آگے
ہون وہ جبروتی کہ گروہ حکماسب
چڑیون کی طرح کرتے ہین چون چون میرے آگے
بولے ہے یہی خامہ کہ کس کس کو مین باندھون
بادل سے چلے آتے ہین مضمون میرے آگے
کیا آکے ڈراوے مجھے زلف شب یلدا
ہے دیو سفید سحری جون میرے آگے
مجرے کو میرے خسرو پرویز ہو حاضر
شیرین بھی کہے آکے بلا لون میرے آگے
یہ عالم فلک کا کہشان ہیچ ہے انشاء
کیا دخل جو بل کھا کے کرے نون میرے آگے

نجم الدولہ دبیر الملک مرزا اسد اللہ خان غالب۔ کے خاندان کا سلسلہ افراسیاب بادشاہ توران سے ملتا ہے۔ انکے دادا گردش زمانہ سے شاہ عالم کے زمانہ مین دہلی آئے تھے۔ انکے والد عبد اللہ بیگ ابتدا مین حیدر آباد مین تین سو سوار کی جمعیت

سے ملازم رہے - کچھ برس کے بعد ایک خانہ جنگی کے بکھیڑے مین بہ صورت بگڑ گئی
اسپر انھون نے راجہ بختاور سنگھ کی ملازمت اختیار کی - اور ایک لڑائی مین کام
آ گئے - اسوقت مرزا پانچ برس کے تھے - جب سر سے والد کا سایہ اُٹھ گیا - مرزا عبد اللہ
بیگ خان کی وفات پر اُنکے بھائی نے جو اکبر آباد کے صوبہ دار تھے - اس دُرِّ یتیم
کو دامن مین لیلیا - اتفاقاً یہ بھی مرگ ناگہانی کے پنجہ مین گرفتار ہو گئے - رسالہ برطرف
ہوگیا اور جاگیر ضبط ہوگئی - بزرگون نے لاکھون روپیہ کی جایداد چھوڑی تھی - مگر
انقلاب زمانہ پر کسکا زور چل سکتا ہے - مرزا غالب کے حصّہ مین صرف ملک سخن کی
حکومت ہی آئی - اور دولت مضامین پر قناعت کر کے غریبانہ حال سے زندگی بسر
کرنی پڑی - آخر رامپور کے نواب نے انہین بلوا بھیجا - اور تعظیم خاندانی کے ساتھ
دوستانہ و شاگردانہ بغلگیر ہوکر ملاقات کی - نواب رامپور نے ۱۸۵۹ء سے یہ دستور
ٹھہرا دیا - کہ اگر مرزا دلی رہین تو سو روپیہ ماہوار اور اگر رامپور رہین تو دو سو
روپیہ ماہوار ملا کرے -

مرزا بیچارے اکثر قرضدار رہا کرتے تھے - آخر قرضدارون نے نالش
داغ دی - جب جوابدہی مین طلب ہوئے تو یہ شعر جواب دعوی کی جگہ پڑھ دیا ؎

مفت کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہان
رنگ لائیگی ہماری فاقہ مستی ایک دن

مرزا نے ۷۳ سال کی عمر پائی - مرنے سے چند سال پہلے کانون اونچا سنائی
دینے لگا - خوراک یہ رہگئی تھی - کہ صبحکو پانچ سنت بادام کا شیرہ - ۱۲ بجے یخنی کا
ایک کٹورا شام کو ہم کباب تلے ہوئے - آخر ۱۸۶۹ء مطابق ۱۲۸۵ھ مین اُنکا
مُرغِ روح اس قفس عنصری سے پرواز کر گیا - مرنے سے چند روز پہلے یہ شعر
کہا تھا ؎

دم واپسین بر سرِ راہ ہے
عزیزو اب اللہ ہی اللہ ہے

اگر نظر انصاف سے تعصب مذہبی - اور رعایت تعلقداری اور قرابت کو
بالائے طاق رکھکر دیکھا جائے تو بادی النظر مین معلوم ہو جاتا ہے کہ غالب کا کلام
جملہ شعرائے اردو کے کلام سے بہتر اور برتر ہے - ذوق مرحوم کو انکی معنی آفرینی
اور نازک خیالی سے کچھ نسبت نہین - گو انکی صفائی اور عام فہم غزلین میر اور جرأت

سکے کلام کو شہر ثانی میں دورانہی اوق اور مشکل خیالین آنشار۔ سودا۔ اور ذوق
کے کلام پر اوس برساتی ہین۔ اگر ذوق نازک خیالی کے آسمان کے باز تھے
تو مرزا غالب۔ عقاب بلند پرواز تھے۔ اگر ذوق اقلیم سخن کے بادشاہ تھے
تو غالب کشور سخن کے شاہنشاہ تھے۔ ذوق مرحوم نے بہادر شاہ ظفر کی حمایت
اور پشت پناہی سے ملک الشعرا کا خطاب پایا اور مرزا غالب نے گوشہ نشینی مین ہی
وہ کچھ کر دکھایا کہ چار دانگ عالم مین کوس شہرت بجایا۔ ذوق مرحوم کا نام ہندوستان
کی چار دیواری تک محدود ہے۔ مگر غالب کا کلام ایران تک پہنچا اور علم و زبان
فارسی مین سند سمجھا گیا۔ غالب اردو لٹریچر کے ڈاکٹر جانسن کی طرح "ڈکٹیٹر" یعنے
زبان اردو کے ادیب تھے۔ جب کسی مشکل شعر کے معنے حل طلب ہوتے تھے یا
کوئی امر فارسی یا اردو کا تحقیق طلب ہوتا تھا۔ تو لوگ غالب مرحوم کی ہی خدمت مین
رجوع لاتے تھے۔ غالب کا کلام اردو زبان کی ٹکسال ہے۔ غالب مرحوم مضامین
و معانی کے بیشتر کے شیر تھے۔ اوسکے اکثر شعر ایسے اعلےٰ درجہ رفعت پر واقع
ہوتے ہین۔ کہ ہر ایک کا ذہن وہان تک نہین پہنچ سکتا۔ ذوق نے صرف نظم پر
قلم اٹھایا اور مرزا غالب نے کشور نثر مین بھی سکہ چلایا۔ سکہ بھی وہ ہے کہ جس کے
طغرا سے شاہی مین یہ نقش ہوا کہ جب تک اردو فارسی نظم و نثر کی جان مین حیات ہے
مرزا غالب کا نام بھی زندہ رہے گا۔ ذوق مرحوم۔ صرف شاعر ہی تھے اور غالب علاوہ
شاعر وغیرہ کے ایک صاحب نظر مؤرخ بھی تھے۔ حضور سے خدمت تاریخ نویسی اُنکے
سپرد ہوئی تھی۔ مہر نیمروز اوسی زمانہ کی تصنیف ہے۔ اور اُسی زمانہ مین یہ خطاب عطا
ہوا تھا۔ یعنے "مرزا اسد اللہ خان غالب بہادر نظام جنگ"۔

کہتے ہین ایک دفعہ مشاعرہ مین حکیم آغا جان عیش۔ نے ظفر اور ذوق مرحوم
کے اشارہ سے غزل طرحی مین یہ قطعہ پڑھا ؎

اگر اپنا کہا تم آپ ہی سمجھے تو کیا سمجھے	مزا کہنے کا جب ہے اک کہے اور دوسرا سمجھے
کلام میر سمجھے اور زبان میرزا سمجھے	مگر انکا کہا یہ آپ سمجھین یا خدا سمجھے

جب یہ خبر اس ملک بے نیازی کے بادشاہ کو کہ اقلیم سخن کا ہی شاہنشاہ تھا پہنچی
تو ایک ہی شعر سے سبکو جواب دیدیا ؎

نہ ستایش کی تمنا ہے نہ صلہ کی پروا
نہ سہی گر مرے اشعار مین معنے نہ سہی

پھر ایک رباعی کہی ہے

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل — سن سن کے اسے سخنوران کامل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش — گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

ایکدفعہ مرزا غالب۔ ہوا خواہان ذوق کی لاف و گزاف سے ناراض ہو گئے اور فرمانے لگے۔ اردو زبان میں کچھ تھوڑے سے نکل بیٹھا۔ کوئی بڑی بات نہیں مزا تب ہے کہ فارسی شاعری میں بھی کچھ کہہ کے سنائیں۔ پھر ایک ۲۰ یا ۲۵ شعر کا ایک قطعہ لکھا جسمین ایک شعر یہ تھا ہے

راست میگویم من و از راست سر نتوان کشید
ہر چہ در گفتار فخر تست آن ننگ من است

یہ صاف ذوق کی طرف چشمک ہے۔

مرزا جوان بخت کی شادی کے اہتمام میں بڑی دھوم دھام سے سامان ہوتے تھے مرزا نے یہ سہرا کہکر حضور مین گذرانا۔

سہرا

خوش ہو اے بخت کہ ہے آج ترے سر سہرا
باندھ شہزادے جوان بخت کے سر پر سہرا
کیا ہی اس چاند سے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے
ہے ترے حسن دل افروز کا زیور سہرا
سر پہ چڑھنا تجھے پھبتا ہے پر اے طرف کلاہ
مجھکو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لمبر سہرا
ناؤ بھر کر ہی پروئے گئے ہونگے موتی
ورنہ کیوں لائے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا
سات دریا کے فراہم کئے ہونگے موتی
تب بنا ہوگا اس انداز کا گز بھر سہرا
رخ پہ دولہا کے جو گرمی سے پسینا ٹپکا۔

ہے رگِ ابرِ گہربار سراسر سہرا

تو بھی اک بے ادبی تھی کہ قبا سے بڑھ جائے
رہ گیا آن کے دامن کے برابر سہرا

جی میں اترائیں نہ موتی کہ ہمیں ہیں اک چیز
چاہئے پھولوں کا بھی ایک مکرر سہرا

جبکہ اپنے میں سماویں نہ خوشی کے مارے
گوندھے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا

رخ روشن کی دمک گوہر غلطاں کی چمک
کیوں نہ دکھلائے فروغ مہ و اختر سہرا

تار ریشم کا نہیں ہے یہ رگ ابر بہار
لائے گا تاب گرانباری گوہر سہرا

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں
دیکھیں اس سہرے سے کہدے کوئی بہتر سہرا

اس سہرے کا مقطع پڑھ کر بادشاہ کہنے لگے اب ہم پر بھی چشمکیں ہونے لگیں کیا اس سہرے کے برابر کوئی سہرا کہنے والا نہیں۔ گویا ہمنے ذوق کو طرفداری سے ملک الشعراء اور استاد بنایا ہے۔ چنانچہ اسی وقت ذوق مرحوم کو بلوایا اور کہا کہ تم بھی ایک سہرا کہدو مگر مقطع پر نظر رکھنا۔ ذوق مرحوم نے غالب کے سہرے پر یہ سہرا کہا :۔

سہرا

اے جوان بخت مبارک ہو ترے سر پہ سہرا
آج ہے یمن و سعادت کا ترے سر پر سہرا

آج وہ دن ہے کہ لائے دُرِ انجم سے فلک
کشتیٔ زر میں مہ نو کی لگا کر سہرا

تابش حسن سے مانند شعاع خورشید
رخ پر نور پہ ہے تیرے منور سہرا

وہ کہے صلِ علیٰ - یہ کہے سبحان اللہ

دیکھین مکھڑے پہ ترے سعدِ اختر سہرا

تابش اور بنے مین رہے آخر شب ہم

گوندھے ہے سورۂ اخلاص کو پڑھ کر سہرا

دھوم ہے گلشن آفاق مین اس سہرے کی

اللہ اللہ رے پھولون کا معطر سہرا

روئے فرخ پہ جو ہین تیرے برستے انوار

تار بارش سے بنا ایک سراسر سہرا

ایک کو ایک پہ تزئین ہے دم آرایش

سر پہ دستار ہے دستار کے اوپر سہرا

ایک گھر بھی نہین صدکان گہر مین چھوڑا

تیرا بنوایا ہے لے لیکے جو گوہر سہرا

پھرتی خوشبو سے ہے اترائی ہوئی باد بہار

اللہ اللہ رے پھولون کا معطر سہرا

سر پہ طرہ ہے مزین تو گلے مین بدھی

کنگنا ہاتھ مین زیبا ہے تو منہ پر سہرا

رونمائی مین تجھے دے مہ و خورشید فلک

کھولدے منہ کو جو تو منہ سے اٹھا کر سہرا

کثرت تار نظر سے ہے تماشائیون کے

دم نظارہ ترے روئے نکو پر سہرا

دُرِ خوش آب مضامین سے بنا کر لایا

واسطے تیرے ترا ذوق ثنا گر سہرا

جس کو دعویٰ ہے سخن کا یہ سنا دے اُسکو

دیکھ اس طرح سے کہتے ہین سخنور سہرا

دونون سہرے اپنی اپنی جگہ بے نظیر ہین۔ مگر پہلے مرزا صاحب نے اپنی طبیعت پر زور دیکر سہرا کہا۔ اور ذوق نے اُس سے بڑھکر دوہرا کر کہا۔ سہرے پر سہرا کہا۔ باوجود

اِس امر کے سخن کے پرکھنے والے دیکھ سکتے ہیں کہ کس صحت سے کو ترجیح دینی چاہیئے۔

میری رائے ناقص مین کہی ہوئی غزل پر غزل کہنی نہایت آسان بات ہے۔ اتفاقاً ایکدفعہ انجمن پنجاب لاہور کا مشاعرہ تھا۔ اور طرح تھی ۔ ع

آجکل جوش جنون مین تیرے دیوانیکو

ایک دوست میرے پاس آئے۔ اور کہنے لگے کہ بھئی پانچ شعر تو ہوگئے ہین دو شعر تم کہدو تو سات شعر کی غزل مشاعرہ مین پڑھدون۔ میں نے اُنہیں چند مثالیں دیکر ٹالنے ۔ رفیق کی اس زمین پر غزل موجود تھی مین نے اس غزلکو سامنے رکھ لیا۔ رفیق کا پہلا شعر تھا ۔

منع کرتی ہے نزاکت جو یہان آنے کو
اپنی تصویر ہی بھیجو ہمین بہلانے کو

مین نے فوراً اُسکو اسطرح پر بدل دیا ۔

کوئی بیچھ سے میرا دل کہ بہل جائے گا۔
اپنی تصویر نہ بھیجو اسے بہلانے کو

دوسرا شعر رفیق کا تھا ۔

دیکھو برگشتگی بخت کہ آتی ہے نہین نیند
خواب مین کہگئے تھے وہ میرے گھر آنیکو

مین نے فوراً اُسے اسطرح بدل دیا ۔

دیکھو برگشتگی بخت کہ آتی نہین موت
میرے مرنے پہ وہ کہتے تھے یہان آنیکو

چلو ایک منٹ مین دو شعر ہوگئے۔ حاصل کلام یہ کہ کہی ہوئی غزل پر غزل کہنی نہایت آسان ہے۔

غالب نے جب دیکھا کہ بادشاہ کو اپنے اُستاد کی حمایت ہر طرح منظور ہے تو مناسب یہ ہی سمجھا کہ صفائی ہو جائے۔ واقعی اُنہون نے بہت اچھا کیا۔ بادشاہ کو ناراض کرنا اچھا نہ تھا۔ دریا مین رہنا اور مگرمچھ سے بیر۔ داناؤن کا کام نہین سب انجام سوچکر یہ قطعہ حضور مین گذرانا۔

قطعہ

منظور ہے گذارش احوال واقعی
اپنا بیان حسن طبیعت نہین مجھے

سو پشت سے ہے پیشہ آبا سپہگری
کچھ شاعری ذریعہ عزت نہین مجھے

آزادہ رو ہون اور میرا مسلک ہے صلحکل
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہین مجھے

کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہون
مانا کہ جاہ منصب و ثروت نہین مجھے

اُستاد شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال
یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہین مجھے

جام جہان نما ہے شہنشاہ کا ضمیر
سوگند اور گواہ کی حاجت نہین مجھے

سہرا لکھا گیا ز رہ امتثال امر
دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہین مجھے

مقطع مین آپڑی ہے سخن گسترانہ بات
مقصود اُس سے قطع محبت نہین مجھے

روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ
سودا نہین جنون نہین وحشت نہین مجھے

قسمت بری سہی پہ طبیعت بری نہین
ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہین مجھے

صادق ہون اپنے قول کا غالب خدا گواہ
کہتا ہون سچ کہ جھوٹ کی عادت نہین مجھے

غالب مرحوم کا کلام کیا ہے۔ ایک شیر و شہد کا دریا ہے ایک مجلس مین اُنکے دوست مولوی کرم حسین کے ہاتھ مین چکنی ڈلی بہت پاکیزہ و بے ریشہ تھی انکی نسبت فرماتے ہین ؎

ہے جو صاحب کے کف دست پہ یہ چکنی ڈلی
زیب دیتا ہے اسے جسقدر اچھا کہیے

خامہ انگشت بدندان کہ اسے کیا لکھیے
ناطقہ سر بگریبان کہ اسے کیا کہیے

اختر سوختۂ قیس سے نسبت دیجے
خال مشکین رخ دلکش لیلے کہیے

حجر الاسود دیوار حرم کیجے فرض
نافہ آہوئے بیابان ختن کا کہیے

صومعہ مین اسے ٹھہرائیے گر مہر نماز
میکدہ مین اسے خشت خم صہبا کہیے

مستی آلودہ سر انگشت حسینان لکھیے
سر پستان پریزاد سے مانا کہیے

اپنے حضرت کے کف دست کو دل کیجے فرض
اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہیے

سبحان اللہ کیا کلام ہے

اب مین آخر مین دو غزلین مرزا غالب کی لکھتا ہون کیونکہ مقابلہ مین اندازہ کلام کے لئے ضروری ہین۔

غزلیات

عشق مجھکو نہین وحشت ہی سہی
میری وحشت تیری شہرت ہی سہی

قطع کیجے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہین ہے تو عداوت ہی سہی

میرے ہونے مین ہے کیا رسوائی
اے وہ مجلس نہین خلوت ہی سہی

ہم بھی دشمن تو نہین ہین اپنے
غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی

عمر ہر چند کہ ہے برق خرام
دل کے خون کرنے کی فرصت ہی سہی

ہم کوئی ترک وفا کرتے ہین
نہ سہی عشق مصیبت ہی سہی

کچھ تو دے اے فلک نا انصاف
آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالین گے
بے نیازی تیری عادت ہی سہی

یار سے چھیڑ چلی جائے اسد
گر نہین وصل تو حسرت ہی سہی

ایک اور غزل سنئے۔

درد منت کش دوا نہ ہوا
مین نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا

جمع کرتے ہو کیون رقیبون کو
ایک تماشا ہوا گلا نہ ہوا

ہم کہان قسمت آزمانے جائین
تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا

کتنے شیرین ہین تیرے لب کہ رقیب
گالیان کھا کے بیمزا نہ ہوا

ہے خبر گرم انکے آنے کی
آج ہی گھر مین بوریا نہ ہوا

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی
بندگی مین میرا بھلا نہ ہوا

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

زخم گر دب گیا لہو نہ تھما
کام گر رک گیا روا نہ ہوا

رہزنی تھی کہ دلستانی تھی
لیکے دل دلستان روانہ ہوا

کچھ تو پڑھئے کہ لوگ کہتے ہین
آج غالب غزل سرا نہ ہوا

تمام شد

